عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا ترجمان

ہفت روزہ

ختم نبوت

INTERNATIONAL URDU WEEKLY KHATM-E-NUBUWWAT KARACHI PAKISTAN

قیمت ۱۰ روپے

جلد ۳۳ | ۲۹ محرم تا ۷ صفر المظفر ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۳ تا ۳۰ نومبر ۲۰۱۲ء | شمارہ ۴۴

حقائق بولتے ہیں

جاوید چوہدری صاحب کی خدمت میں

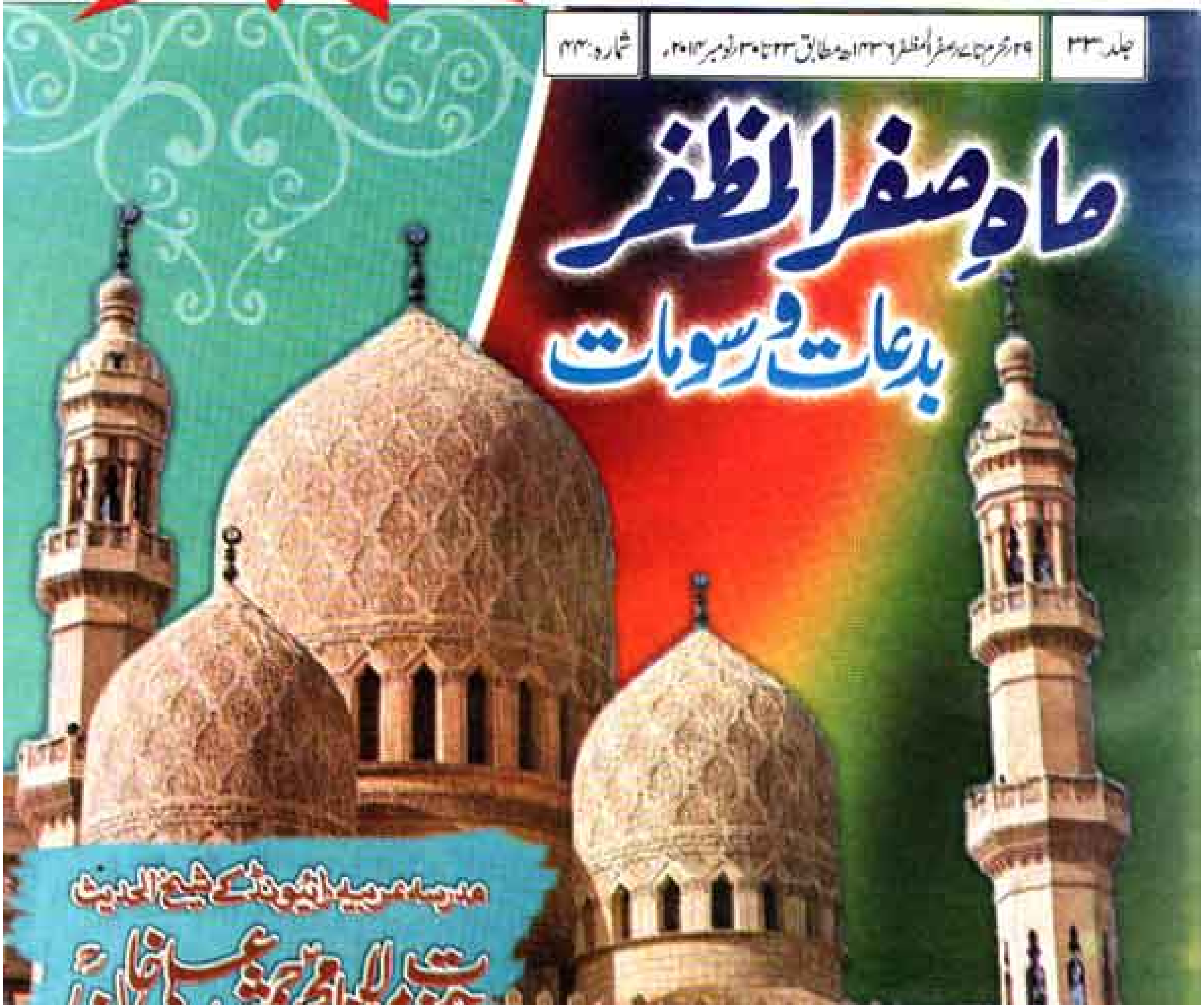

Email: editorkn@yahoo.com

Website: http://www.khatm-e-nubuwwat.org
http://www.khatm-e-nubuwwat.com

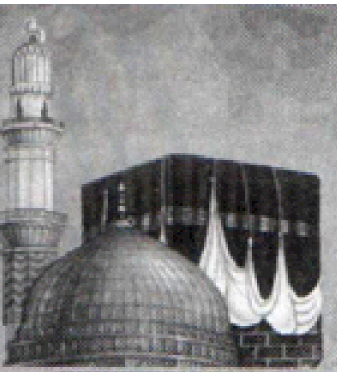

آپ کے مسائل

مولانا اعجاز مصطفیٰ

کیا طاق، طاق، طاق کہنے کی وجہ سے طلاق ہوگئی؟

محمد رفیق، کراچی

س:.....آج سے ساڑھے تین سال پہلے کی بات ہے، میرا اپنڈے کا آپریشن ہوا تھا، میرے شوہر (کمال) نے کاروبار کرنے کے لئے مجھ سے چوڑیاں مانگی تو میں نے کہا کہ میں نہیں دوں گی، میں یہ کہہ کر کچن میں برتن دھونے چلی گئی، یہ دکان جانے کے لئے تیار ہو رہے تھے، بیڈ پر بیٹھے ہوئے موزے پہن رہے تھے کہ وہیں سے بیٹھے ہوئے طلاق، طلاق، طلاق کہنے لگے، میں کچن سے نکل کر ان کے سامنے آئی تو کہنے لگے دیکھ، میں نے تین دفعہ کہہ دیا۔ میں رونے لگی اور خاموش ہوگئی، ایک دو دن بعد میں نے امی کے گھر سے لاکر چوڑیاں دے دیں، ساتھ میں نے یہ بھی کہا کہ میں اپنے بڑے بھائیوں سے کہوں گی تو کہنے لگے کہ میں نے: ''طاق، طاق، طاق'' کہا تھا، لیکن مجھ سے یہ غلطی ہوگئی کہ میں نے ان کی بات کا یقین کرلیا اور بھائیوں سے بھی کچھ نہیں کہا، کیونکہ میں بہت پریشان تھی کہ ایک عورت کی شادی کے بعد کوئی جگہ نہیں ہوتی ہے اور میں کن کن بھائیوں کے سامنے حقیر ہوں گی؟

لیکن میں ایک اچھی زندگی گزارنے کے لئے ہمیشہ بھرپور تعاون کرتی رہی، پھر میں خاموش ہوگئی، ان سے کوئی اولاد بھی نہیں ہوئی، ایک سال جیسے تیسے دکان چلی، لیکن دوسرے سال دکان کی حالت گرنے لگی، کاروباری ٹینشن رہنے لگی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۲/اپریل ۲۰۱۳ء کو فالج کا اثر سیدھے ہاتھ کے پورے حصے پر ہوا اور بول بھی نہیں سکتے تھے، فالج کے تین مہینے کے بعد ٹانگ ذرا صحیح ہوئی تو چلنے لگے، وہ بھی ہلکے ہلکے، سیدھا ہاتھ بالکل کام نہیں کرتا، اب تھوڑا بہت بول لیتے ہیں، سمجھ بھی لیتے ہیں، لیکن اپنی بات کسی کو سمجھا نہیں سکتے، اس حالت کو اب ڈیڑھ سال ہوجائے گا، میں ان کو نہلاتی ہوں، کموڈ نہیں ہے، کرسی رکھتی ہوں، واش کے لئے پانی ڈالتی ہوں، شیو بناتی ہوں، بہرحال میں ان کی خدمت کررہی ہوں، کیونکہ طلاق والی بات ابھی کسی کو پتہ نہیں تھی، یہ بات اب میں نے بھائیوں کو بتائی، جب یہ سارے حالت مجھ پر آئے۔ اب حضرت جی! میں بہت پریشان ہوں کہ جو میں نے اتنی بڑی غلطی کی ہے کہ طلاق کی بات چھپائی! کہیں یہ اس کی سزا تو نہیں اور اب میں دوبارہ یہ غلطی تو نہیں کررہی ہوں کہ میں ان کی خدمت کررہی ہوں اور اللہ کی مجھ پر ناراضی ہو اور اللہ کا غصہ ہو؟ اب حضرت جی! آپ سے میری درخواست ہے کہ یہ تمام حالات پڑھ کر میری مدد کیجئے اور مجھے صحیح راستہ بتایئے تاکہ میں اس پر عمل کرکے اللہ کو راضی کرسکوں۔

(نوٹ) کمال صاحب (شوہر) فالج زدہ ہونے کی بنا پر لکھنے اور صحیح طرح پڑھنے سے معذور ہیں، البتہ جب ان کے سامنے مذکورہ واقعہ اور طلاق دینے کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے مذکورہ واقعہ اور طلاق دینے سے انکار کیا اور انہوں نے یہ انکار اپنے بھائی اور (بیوی) عورت کے بھائی کے سامنے کیا، جس پر وہ دونوں گواہ ہیں اور ان کے دستخط بھی ثبت ہیں: عورت کے بھائی محمد رفیق، مرد کے بھائی محمد سہیل۔

ج:.....صورت مسئولہ میں بیوی کے پاس چونکہ طلاق کے گواہ موجود نہیں اور شوہر طلاق دینے سے منکر ہے، اس لئے شوہر کی بات معتبر ہوگی اور عورت کو طلاق نہیں ہوگی۔ ہاں اگر واقعتاً بیوی نے طلاق کے الفاظ تینوں مرتبہ اپنے کانوں سے سنے تھے اور شوہر اب اس سے انکاری ہے تو ایسی صورت میں بیوی کو چاہئے کہ وہ شوہر کو راضی کرکے اس سے خلع حاصل کرے خواہ خلع دینے کے لئے شوہر کوئی بھی شرط رکھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ہفت روزہ ختمِ نبوۃ

مجلس ادارت

مولانا سید سلیمان یوسف بنوری — صاحبزادہ مولانا عزیز احمد

علامہ احمد میاں حمادی — مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی

مولانا قاضی احسان احمد

جلد:۳۳ — ۲۹ رمحرم الحرام تا ۷ رصفر المظفر ۱۴۳۶ھ مطابق ۲۳ تا ۳۰ رنومبر ۲۰۱۴ء — شمارہ:۴۴

سرپرست

حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی مدظلہ

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر مدظلہ

مدیر اعلیٰ

مولانا عزیز الرحمن جالندھری

نائب مدیر اعلیٰ

مولانا محمد اکرم طوفانی

مدیر

مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

معاون مدیر

عبداللطیف طاہر

قانونی مشیر

حشمت علی حبیب ایڈووکیٹ

منظور احمد میو ایڈووکیٹ

سرکولیشن منیجر

محمد انور رانا

تزئین و آرائش:

محمد ارشد خرم، محمد فیصل عرفان خان

اس شمارے میں!

حقائق بولتے ہیں... جاوید چوہدری کی خدمت میں!	۴	محمد اعجاز مصطفیٰ
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خانؒ	۸	مولانا سید زین العابدین
ماہ صفر المظفر کی بدعات و رسومات	۱۲	مولانا مفتی محمد راشد ڈسکوی
اسلام کی نظر میں.... عورتوں کا معاشرتی مقام (۲)	۱۷	محترمہ نغمہ پروین، علی گڑھ
جناب محمد نذیر کی قبول اسلام کی سرگزشت (۴)	۱۹	منصور اصغر راجہ
تحریک ختم نبوت... آغاز سے کامیابی تک (۷)	۲۱	مسعود ساحر
کوٹ رادھا کشن کا دل سوز واقعہ....	۲۶	عبدالرؤف

زر تعاون

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا: ۹۵ ڈالر، یورپ، افریقہ: ۷۵ ڈالر، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت، مشرق وسطی، ایشیائی ممالک: ۶۵ ڈالر

فی شمارہ ۱۰ روپے، ششماہی: ۲۲۵ روپے، سالانہ: ۴۵۰ روپے

WEEKLY KHATM-E-NUBUWWAT, A/c# 0010010964680019

(انٹرنیشنل بینک اکاؤنٹ نمبر) IBAN NO. PK68ABPA0010010964680019

AALMI MAJLIS TAHAFFUZ KHATM-E-NUBUWWAT 0010010964710018

(انٹرنیشنل بینک اکاؤنٹ نمبر) IBAN NO. PK45ABPA0010010964710018

Allied Bank Binori Town Branch Code: 0159 Karachi.

بیاد

امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

خطیب پاکستان قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ

مجاہد اسلام حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ

مناظر اسلام حضرت مولانا لال حسین اخترؒ

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ

خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحبؒ

فاتح قادیان حضرت اقدس مولانا محمد حیاتؒ

مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا تاج محمودؒ

ترجمان ختم نبوت مولانا محمد شریف جالندھریؒ

جانشین حضرت بنوری حضرت مولانا مفتی احمد الرحمنؒ

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ

حضرت مولانا سید انور حسین نفیس الحسینیؒ

مبلغ اسلام حضرت مولانا عبدالرحیم اشعرؒ

شہید ختم نبوت حضرت مفتی محمد جمیل خانؒ

شہید ناموس رسالت مولانا سعید احمد جلال پوریؒ

رابطہ دفتر: جامع مسجد باب الرحمت (ٹرسٹ)

ایم اے جناح روڈ کراچی، فون: ۳۲۷۸۰۳۳۷، فیکس: ۳۲۷۸۰۳۴۰

Jama Masjid Bab-ur-Rehmat (Trust)

Old Numaish M.A.Jinnah Road Karachi

Ph:32780337, 34234476 Fax:32780340

مرکزی دفتر: حضوری باغ روڈ، ملتان

فون: ۰۶۱-۴۷۸۳۴۸۶، ۰۶۱-۴۵۸۳۴۸۶

Hazori Bagh Road Multan

Ph:061-4583486, 061-4783486

لندن آفس:

35,Stockwell Green

London, SW9 9HZ U.K

Ph:0207-737-8199

ناشر: عزیز الرحمن جالندھری — مطبع: القادر پرنٹنگ پریس — طابع: سید شاہد حسین — مقام اشاعت: جامع مسجد باب الرحمت ایم اے جناح روڈ کراچی

محمد اعجاز مصطفیٰ

حقائق بولتے ہیں

جاوید چوہدری صاحب کی خدمت میں!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

۲۱؍ذوالحجہ ۱۴۳۵ھ مطابق ۱۷؍اکتوبر ۲۰۱۴ء روزنامہ ایکسپریس میں جناب جاوید چوہدری صاحب کا مضمون ''ملالہ کبھی پاکستان نہیں آسکے گی'' کے عنوان سے چھپا، جس میں موصوف نے ملالہ کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کی تعریف وتوصیف میں زمین وآسمان کے قلابے ملائے، اس کی علمیت کے قصیدے پڑھے، پاکستان سے اس کی محبت کے گیت گائے، اس کے مقابلہ میں تمام پاکستانیوں کو ان سے حسد کرنے والا، بونوں کا ملک، ٹیلنٹ کی ناقدری کرنے والا بتلایا ہے اور کہا ہے کہ:

۱:- یہ ملک کے لئے بہت کچھ کرنا چاہتے تھے، مگر ان کا ٹیلنٹ اور ان کا عقیدہ ہر بار رکاوٹ بن جاتا تھا۔ ۲:- یہ پاکستان کا پہلا نوبل انعام تھا، ہمارے لئے اعزاز کی بات تھی، لیکن ڈاکٹر صاحب کا عقیدہ اس اعزاز کے راستہ میں بھی رکاوٹ بن گیا۔ ۳:- میں دس اکتوبر تک یہ سمجھتا رہا کہ ڈاکٹر عبدالسلام کو قادیانی ہونے کی سزا ملی، چنانچہ ڈاکٹر صاحب کا عقیدہ ان کا جرم بن گیا اور یہ ان کی خوبیوں اور کمالات کو بھی نگل گیا۔ ۴:- ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی تھے، ہم نے اس جرم میں ان سے پاکستانیت کا حق چھین لیا۔ یہ وہ چند ریمارکس ہیں جو محترم جناب جاوید چوہدری صاحب نے دیئے ہیں۔

جناب چوہدری صاحب نے ڈاکٹر موصوف کے ساتھ پاکستانی قوم کی جانب سے ہونے والی زیادتی وناانصافی کا تذکرہ جس نازو انداز سے کیا ہے اور ان کی یکطرفہ مظلومیت کے خود ہی وکیل اور خود ہی جج بنے ہیں، اس کی بجائے اگر ان کے ساتھ ظلم وناانصافی کرنے والی بونی مسلم قوم کو اپنے صحافیانہ کٹہرے میں کھڑا کرکے ان کا جواب دعویٰ بھی سن لیتے تو شاید آنجناب جلد بازی میں اپنا سطحی فیصلہ سرزد فرمانے سے قبل اپنا اور اپنی بات کا وزن یقیناً معلوم کرلیتے۔

جناب عالی! کیا آپ جانتے ہیں کہ ڈاکٹر عبدالسلام اپنے لئے کونسی شناخت استعمال کرنا پسند کرتا رہا؟ کیا ڈاکٹر موصوف کے نوبل انعام کا حقیقی سبب وہی ٹیلنٹ ہے جس کی آنجناب وکالت فرمارہے ہیں یا اس کے کچھ اور اسباب بھی ہیں؟ کیا ڈاکٹر صاحب کی صلاحیتوں کی کاشتکاری کے لئے پاکستانی مٹی ناقص تھی یا وہ ان مزعومہ صلاحیتوں سے عاری تھے؟ کیا ڈاکٹر صاحب محض قادیانی ہونے کے ناطے پاکستانیوں کے عتاب کے ذمہ دار قرار پائے تھے یا ان کی اضافی منفی سرگرمیاں بھی تھیں جو پاکستان، نظریہ پاکستان اور پاکستان کی ایٹمی صلاحیت کے خلاف استعمال ہورہی تھیں؟ نیز اگر ڈاکٹر عبدالسلام کا قادیانی ہونے کے علاوہ اور کوئی جرم نہ بھی ہو تو پھر آنجناب سے سوال ہے کہ کیا آپ کے نزدیک عقیدہ ختم نبوت کا انکار، امت مسلمہ کی تکفیر اور پاکستان کے اسلامی تشخص کا خاتمہ جیسے کارنامے دین اسلام اور آئین پاکستان کی رو سے جرم نہیں؟ آیئے! انہی سوالوں کو سامنے رکھتے ہوئے ڈاکٹر عبدالسلام کی حیات جاوداں کے بعض گوشوں کا مطالعہ کرتے ہوئے جناب جاوید چوہدری صاحب کے آخری سوال کا جواب جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

محترم! آپ یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ ڈاکٹر عبدالسلام سکہ بند قادیانی تھا اور ہر قادیانی اپنے آپ کو مسلمان اور مسلمانوں کو کافر کہتا ہے۔ اور یہ بات بھی آپ کے علم میں ہوگی کہ قادیانیوں کی پشت پر ہمیشہ یہودیوں اور سامراج کا ہاتھ رہا ہے، جیسا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے لکھا ہے کہ: ''میں انگریز کا خودکاشتہ پودا ہوں۔'' جس طرح ہر یہودی پاکستان اور مسلمانوں کا دشمن ہے، اسی طرح ہر قادیانی پاکستان اور مسلمانوں کا دشمن ہے۔ اسی لئے یہودیوں اور قادیانیوں کی نظریاتی مماثلت اور اشتراک کا تجزیہ کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے ۱۹۳۶ء میں کہا تھا کہ:

''مرزائیت اپنے اندر یہودیت کے اتنے عناصر رکھتی ہے کہ گویا یہ تحریک ہی یہودیت کی طرف رجوع ہے۔'' (حرف اقبال لطیف احمد شیروانی ایم اے، ص:۱۱۵)

آپ کو معلوم ہوگا کہ ہر قادیانی مرزا غلام احمد کی جھوٹی نبوت پر ایمان رکھتا ہے، اور ان کو خاتم النبیین کہتا ہے، جب کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں، جو آدمی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت پر ایمان نہیں رکھتا وہ قرآن وسنت کی رو سے کافر ہے اور وہ اپنے آپ کو مسلمان

نہیں کہہ سکتا، لیکن ڈاکٹر عبدالسلام سمیت تمام قادیانی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، تو کیا آپ کے نزدیک ان کو مسلمان سمجھ لیا جائے؟ جب کہ اس عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے پنڈت جواہر لال نہرو کے خط کا جواب دیتے ہوئے لکھا تھا: ''آپ یہ بات سمجھ ہی نہیں سکتے کہ عقیدۂ ختم نبوت کی کیا اہمیت ہے اور کسی مدعی نبوت یا اس کے پیروکاروں کو مسلمان تصور کرنے کا کیا نتیجہ نکل سکتا ہے''۔ اور یہ بھی کہا تھا کہ: ''قادیانی اسلام اور وطن دونوں کے غدار ہیں۔''

محترم! قادیانیوں کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ وہ فوج، عدلیہ، ایٹمی توانائی کمیشن، میڈیا اور تعلیمی اداروں میں کلیدی عہدوں پر قادیانیوں کو براجمان کرائیں اور پھر ان حساس اداروں کے ذریعہ اپنے مقاصد کو بروئے کار لائیں، اور وہ اپنی ان کوششوں اور کاوشوں میں ہمیشہ کامیاب بھی رہے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان قادیانی کی عنایتوں سے ترقی کی منازل طے کرتا رہا، پھر ڈاکٹر عبدالسلام نے ایٹمی توانائی کمیشن میں اپنے اور شاگردوں کی فوج ظفر موج بھرتی کرائی اور وہ جب تک اس ادارے میں رہے، اس ادارہ میں کوئی قابل ذکر کارکردگی نہیں دکھائی، بلکہ ہمیشہ وہ حکمرانوں سے جھوٹ بولتے رہے اور پاکستان کے ایٹم بم بنانے میں رکاوٹ بنے رہے۔

محترم! آپ تو ڈاکٹر عبدالسلام کو محب وطن اور پاکستان کے لئے کچھ کرنے والا بتلاتے ہوئے ان پر ترس کھا رہے ہیں اور تمام پاکستانیوں کو ان کے مقابلہ میں ظالم، جاہل اور بونا قرار دے رہے ہیں، جب کہ قومی اسمبلی نے قادیانیوں کے پیشواؤں کو سننے کے بعد اتفاق رائے سے جب ان کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا تو ڈاکٹر عبدالسلام نے اس تاریخی فیصلہ پر اپنے ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے ایک انٹرویو میں کہا:

''جو سلوک مسٹر بھٹو نے قادیانیوں سے کیا ہے، اس پر میں یہی دعا کروں گا کہ نہ صرف مسٹر بھٹو بلکہ ان تمام کا بھی بیڑا غرق ہو جو اس فیصلے کے ذمہ دار ہیں۔''

(ہفت روزہ دبادیان لاہور، ج:۷، شمارہ:۵، ۱۸ مئی ۱۹۷۹ء)

محترم! آپ نے لکھا ہے کہ: ''ڈاکٹر عبدالسلام نے گورنمنٹ کالج کی انتظامیہ سے درخواست کی'' کالج کے پاس فنڈز موجود ہیں، آپ مجھے چھوٹی سی لیبارٹری بنا دیں، میں اور میرے طالب علم کمال کر دیں گے'' انتظامیہ کو یہ مطالبہ توہین محسوس ہوا، چنانچہ انہیں شروع میں ہاسٹل کا وارڈن بنا دیا، ڈاکٹر صاحب نے دوبارہ درخواست دی تو انہیں فٹ بال ٹیم کا کوچ بنا دیا۔''

جب کہ حقائق اس سے مختلف ہیں، وہ یہ کہ پرنسپل کی طرف سے انہیں درخواست کی گئی کہ وہ باقی پروفیسرز کی طرح تدریس کے علاوہ کچھ غیر نصابی فرائض انجام دیں، اس کے لئے انہیں تین آپشن دی گئیں: ۱:...... ہوسٹل وارڈن کے فرائض، یا ۲:...... کالج اکاؤنٹس کے چیف یا ۳:...... فٹ بال ٹیم کے پریزیڈنٹ۔ اس پر ڈاکٹر عبدالسلام نے تحریری طور پر پرنسپل کو مطلع کیا کہ وہ قانونی طور پر تدریس کے علاوہ کوئی ذمہ داری پوری کرنے کے پابند نہیں، ہاں! اگر ڈیوٹی ناگزیر ہے تو انہیں اس کی اضافی تنخواہ ادا کی جائے، بصورت دیگر وہ یہ فرائض انجام دینے سے قاصر ہیں۔ (بحوالہ غدار پاکستان، ص:۱۳۱)

محترم! یہ جواب خود بتلاتا ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام کو تعلیم، بچوں کے مستقبل یا ان کی فلاح و بہبود سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، بلکہ وہ ایک خود غرض، لالچی اور مفاد پرست انسان تھا، جب کہ ان کے پڑھانے کی یہ حالت تھی کہ طلبہ نے پرنسپل سے شکایت کی کہ انہیں پڑھانا نہیں آتا اور نہ ہی وہ پڑھائی میں دل چسپی لیتے ہیں، چنانچہ ان کی سالانہ رپورٹ میں لکھا گیا ہے کہ:

"Dr. Abdul Salam Is not fit for Govt College Lahore. He be researcher. But he is not a good college man."

یہ ریمارکس آج بھی گورنمنٹ کالج کے ریکارڈ سے ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں، اور پھر گورنمنٹ کالج لاہور کے پروفیسری کے دور میں ان کو کیمبرج یونیورسٹی نے لیکچررشپ کے عہدے کی پیشکش کی تو ڈاکٹر عبدالسلام نے اسے بخوشی قبول کیا اور وہ حکومت پنجاب کی اجازت اور اس کے نوٹیفکیشن نمبر ۲/ ۶۰۷۵ مورخہ فروری ۱۹۵۴ء کے مطابق تین سال یا اس سے کم مدت کیمبرج میں ڈیپوٹیشن پر لیکچررشپ کے عہدہ پر کام کے لئے برطانیہ چلے گئے اور وہاں جس نے سب سے پہلے ان کا استقبال کیا وہ سر ظفر اللہ قادیانی تھا۔

۱۹۶۰ء کے لگ بھگ وہ پاکستان آکر صدر ایوب خان کے سائنسی مشیر بنے اور پھر محترم ذوالفقار علی بھٹو کی وزارت عظمیٰ کے دور میں بھی ان کے مشیر رہے اور جب ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو پارلیمنٹ نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا تو ۱۰ ستمبر ۱۹۷۴ء کو ڈاکٹر عبدالسلام نے وزیر اعظم کے سائنسی مشیر کی حیثیت سے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کے سامنے اپنا استعفیٰ پیش کیا۔ اس کی وجہ انہوں نے اس طرح بیان کی:

''آپ جانتے ہیں کہ میں اسلام کے احمدیہ (قادیانی) فرقے کا ایک رکن ہوں۔ حال ہی میں قومی اسمبلی نے احمدیوں کے متعلق جو آئینی ترمیم منظور کی ہے، مجھے اس سے زبردست اختلاف ہے۔ کسی کے خلاف کفر کا فتویٰ دینا اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ کوئی شخص خالق اور مخلوق

کے تعلق میں مداخلت نہیں کرسکتا۔ میں قومی اسمبلی کے فیصلہ کو ہرگز تسلیم نہیں کرتا، لیکن اب جبکہ یہ فیصلہ ہو چکا ہے اور اس پر عمل درآمد کا آغاز بھی ہو چکا ہے تو میرے لئے بہتر یہی ہے کہ اس حکومت سے قطع تعلق کرلوں جس نے ایسا قانون منظور کیا ہے۔ اب میرا ایسے ملک کے ساتھ تعلق واجبی سا ہوگا جہاں میرے فرقہ کو غیر مسلم قرار دیا گیا ہو۔"

اب آپ ہی بتائیں کہ انہیں پاکستان سے محبت تھی یا اپنے قادیانی گروہ سے اور یہ کہ وہ پاکستان کے لئے کام کر رہے تھے یا اپنے عقیدہ کی پرورش اور آقاؤں کی فرمانبرداری کے لئے؟ مزید سنیئے: ڈاکٹر عبدالقدیر خاں اپنے ایک انٹرویو میں ڈاکٹر منیر کی سازشوں سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہتے ہیں:

"......حکومت کے سربراہ سے جھوٹ بولنا بہت غلط کام ہے، مگر ایٹمی توانائی کمیشن کے سابق چیئرمین منیر احمد خان اور اس کے چیلوں نے سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ انتہائی ڈھٹائی سے جھوٹ بولا۔ انہوں نے پروگرام بنایا کہ تھوڑا سا دھماکہ خیز مواد لے کر زمین میں دبا دیتے ہیں، اس میں کوبالٹ اور زنک بھی ملا دیں گے، پھر اس سے دھماکہ کر کے بھٹو کو بے وقوف بنالیں گے کہ ہم نے ایٹمی دھماکہ کرلیا ہے۔ مجھے پتہ چلا تو میں نے ذوالفقار علی بھٹو کو صاف صاف بتا دیا کہ ان سب لوگوں کا یہ پروگرام ہے......" (روزنامہ خبریں، لاہور، ۳۱ رمئی ۱۹۹۸ء، بحوالہ غدار پاکستان، ص: ۱۶۵)

اور یہ منیر احمد خان وہی ہیں جن کو ڈاکٹر عبدالسلام کی سفارش پر رکھا گیا اور یہ سترہ سال تک اس عہدہ پر رہے، لیکن کوئی قابل ذکر کارکردگی اپنے شعبہ میں نہیں دکھائی۔ پاکستان کے مشہور صحافی جناب حامد میر صاحب ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"......آج منیر احمد خان ٹیلیویژن پر آکر ایٹم بم کی کامیابی کا کریڈٹ لینے کی کوشش کرتا ہے۔ اس شخص نے ہمیشہ ایٹمی قوت بننے کے خلاف سازشیں کیں۔ ڈاکٹر عبدالسلام ایک ثقہ قادیانی تھے اور جنہیں صرف اس لئے نوبل انعام سے نوازا گیا کہ انہوں نے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو ناکام بنانے والے لوگوں کو اٹامک انرجی کمیشن میں بھرتی کیا۔ یہ منیر احمد خان انہی کے لائے ہوئے سائنس دان تھے جن کی پوری کوشش یہ رہی کہ پاکستان کبھی ایٹمی قوت نہ بن سکے۔" (ہفت روزہ زندگی لاہور، ۲۸ رجون تا ۴ رجولائی ۱۹۹۸ء)

اور یہ بات بھی ریکارڈ پر ہے کہ ملتان کانفرنس میں جب بھٹو نے ایٹم بم بنانے کی خواہش کا اظہار کیا، ان کے سائنسی مشیر ڈاکٹر عبدالسلام نے نہ صرف مخالفت کی، بلکہ اس بات پر بگڑ کر اور ناراض ہو کر لندن چلے گئے اور جناب بھٹو نے اس ڈر سے کہ کہیں وہ سارے راز دشمن کے سامنے اگل ہی نہ دے، ان کے دوستوں کے ذریعہ انہیں راضی کیا اور کہا کہ ملتان کانفرنس ایک سیاسی ڈرامہ تھا، اسی طرح ان کی سفارش پر بھرتی کئے گئے لوگوں نے بھی مخالفت کی، ان میں سے ایٹمی توانائی کمیشن کے چیئرمین ڈاکٹر عشرت عثمانی اور اس قماش کے دوسرے لوگ تھے۔ معروف دانشور ڈاکٹر وحید عشرت لکھتے ہیں:

"مشہور قادیانی سائنسدان ڈاکٹر عبدالسلام نے بھی پاکستان دشمنی میں پاکستان کے ایٹمی پلانٹ کے راز حکومت امریکہ کو پہنچائے، جس پر جنرل ضیاء نے کہا کہ "اس کتیا کے بچے کو کبھی میرے سامنے نہ لانا، یہ امریکہ، برطانیہ اور یہودیوں کا گماشتہ ہے اور اسی لئے اسے نوبل انعام دیا گیا۔" (روزنامہ امت، کراچی، ۸ رجنوری ۱۹۹۸ء)

حد یہ ہے کہ پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان ہو یا ڈاکٹر عبدالسلام، وہ اس پر کبھی شرمندہ نہیں ہوئے کہ انہوں نے نبی آخر الزماں ﷺ کی ختم نبوت کا انکار کر کے ایک مجہول شخص کی اطاعت قبول کی ہے اور امت مسلمہ سے خود ہی ترک تعلق کرلیا ہے، مگر ہمارے دانشور، کالم نگار دوست اس امر پر شرمندہ ہیں کہ ہم نے ڈاکٹر عبدالسلام کی خواہش کے مطابق قومی اسمبلی کے متفقہ فیصلے کو واپس لے کر یہ اقرار کیوں نہیں کیا کہ آپ سچے، آپ کے مدعی نبوت سچے، ہم ہی وہ بدنصیب ہیں جو اپنے سچے رسول ﷺ سے تعلق پر شرمندہ ہیں، واحسرتاہ!

آپ نے ان کو نوبل انعام ملنے پر بڑا ہی خراج عقیدت پیش کیا ہے اور اس کو پاکستان کے لئے ایک اعزاز بتلایا ہے، کیا آپ بتلا سکتے ہیں کہ ڈاکٹر عبدالسلام نے اس کو پاکستان کا اعزاز کہا ہے؟ اگر ان کا کوئی بیان اس طرح کا ہے تو آپ اسے ریکارڈ پر لائیں، حالانکہ یہ انعام ڈاکٹر عبدالسلام کو کوئی انقلابی تھیوری پیش کرنے پر نہیں دیا گیا، بلکہ اسلام اور پاکستان کو بدنام کرنے کی خدمات انجام دینے کے صلہ میں ملا ہے، کیونکہ ڈاکٹر عبدالسلام ایک ریڈیو انٹرویو میں خود اس بات کو تسلیم کر چکے ہیں کہ انہوں نے طبعیات میں میکسول اور اس کے ساتھیوں کے انکشافات کو آگے بڑھایا ہے اور اس شعبہ میں کوئی بڑا معرکہ انجام نہیں دیا۔ (نوبل پرائز اور ڈاکٹر عبدالسلام، شفیق مرزا)

باخبر حلقے بتاتے ہیں کہ چونکہ پاکستان میں قادیانی امت کے غیر مسلم اقلیت قرار پانے سے ملت اسلامیہ میں ان کی نقب لگانے کی پوزیشن بری طرح متاثر ہو چکی تھی اور وہ کسی بھی اسلامی ملک میں امریکی مفادات کے لئے مؤثر طریقے سے کام کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہے تھے، کیونکہ انہیں ہر جگہ سامراجی گماشتہ

اور جاسوس کے طور پر دیکھا جاتا تھا، مگر امریکہ تاج برطانیہ کے پرانے وفاداروں کو اس طرح چھوڑنا پسند نہیں کرتا تھا، اس لئے اس نے پہلے یہودی اثر و رسوخ سے چلنے والے ممتاز سائنسی اخبارات و جرائد میں ڈاکٹر عبدالسلام کے حق میں مہم چلائی اور بالآخر نوبل پرائز کا تمغہ ان کے سینے پر سجا دیا۔ ڈاکٹر اسٹیون وائنبرگ نے ڈاکٹر عبدالسلام کو نوبل پرائز ملنے پر شدید احتجاج کیا تھا اور اپنے ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ:

''ڈاکٹر عبدالسلام نے کوئی اہم سائنسی پیش رفت نہیں کی کہ انہیں اس اہم انعام کا مستحق ٹھہرایا جائے، بلکہ انہیں ایک خاص اور ان دیکھے منصوبے کے تحت ہمارے ساتھ منتخب کیا گیا ہے جو سخت بددیانتی کے زمرہ میں آتا ہے۔''

ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے بھی ایک انٹرویو میں کہا:

''ڈاکٹر عبدالسلام کو ملنے والا نوبل انعام نظریات کی بنیاد پر دیا گیا ہے، وہ ۱۹۵۷ء سے اس کوشش میں تھے کہ انہیں نوبل انعام ملے اور آخر آئن اسٹائن کی صد سالہ وفات پر اس کا مطلوبہ انعام دے دیا گیا۔ دراصل قادیانیوں کا اسرائیل میں باقاعدہ مشن ہے جو ایک عرصہ سے کام کر رہا ہے، یہودی چاہتے تھے کہ آئن اسٹائن کی برسی پر اپنے ہم خیال لوگوں کو خوش کر دیا جائے، سو ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو بھی اس انعام سے نوازا گیا۔'' (انٹرویو ڈاکٹر عبدالقدیر، ہفت روزہ چٹان لاہور ۶ر فروری ۱۹۸۴ء)

اس لئے ڈاکٹر عبدالسلام نے ہمیشہ اپنے مذہب قادیانیت کا دفاع کرتے ہوئے اسلام اور پاکستان کی مخالفت کی۔ ۱۹۷۹ء میں اسٹاک ہوم میں نوبل انعام وصول کرتے وقت اخبار نویسوں سے گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے دوٹوک الفاظ میں کہا کہ:

''میں سب سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی کا غلام ہوں، پھر مسلمان ہوں اور پھر پاکستانی۔'' (ہفت روزہ زندگی لاہور، ۱۳ر جون ۱۹۹۰ء)

محترم! یہ وہ سب حقائق، حالات اور واقعات ہیں جن کی بنا پر آج ہر پاکستانی قادیانیوں کو ملت اور ملک کا غدار، یہودیوں اور امریکیوں کا جاسوس کہتا ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ قادیانی ملک پاکستان کے آئین کو تسلیم نہیں کرتے، ہر قادیانی ملک کا بیڑہ غرق دیکھنا چاہتا ہے، ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا اپنا مذہبی فریضہ سمجھتا ہے، پھر بھی ہمارے دانشور اور صحافی انہیں کی ترجمانی اور وکیل صفائی کا کردار ادا کرتے نظر آتے ہیں، آخر کیوں؟

محترم جناب جاوید چوہدری صاحب نے ملالہ کے بارہ میں لکھا ہے کہ وہ تو مسلمان ہے، ہم اس کے مخالف کیوں ہیں؟ محترم! ہم بحیثیت مسلمان کسی بھی مدعی اسلام کے اسلام میں شک نہیں کرتے، اگر کوئی اپنے اسلام کو خود ہی مشکوک قرار دے رہا ہو تو اس کا وکیل صفائی بننا بھی اپنی ذمہ داری نہیں سمجھتے۔ ملالہ کون ہے؟ اسے جس قسم کی انسانی و اخلاقی ہمدردی چاہئے، ہم اس کے روادار ہیں۔ آپ اس عزیزہ کو جو انصاف دلانا چاہتے ہیں، ضرور دلوائیں، یہ انصاف اس کا حق ہے، تاہم ملالہ کے ساتھ ایک اور بڑی ناانصافی بھی ہوئی ہے، جس کا انصاف دلانا بھی آپ کے فرائض میں شامل ہونا چاہئے، وہ یہ کہ مختلف لوگ کئی جرائد، متعدد وقائع نگار عزیزہ موصوفہ کے نام، نسب، مقام ولادت، مقام پرورش اور اس کے پس منظر، پیش منظر کے بارے میں گومگو کا شکار ہیں۔ پاکستانی قوم اور اس کے بونے تجزیہ نگاروں کی غلط فہمی دور فرمائیں، بالخصوص عزیزہ موصوفہ کے نام سے مغربی صحافیہ کی لکھی ہوئی کتاب کے وہ حصے بونے پاکستانیوں کو سمجھانے کی کوشش کریں جن کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پاکستانی قوم ملالہ کے ساتھ ناانصافی کی مرتکب ہو رہی ہے۔

محترم! ملالہ کی پاکستان کے لئے کیا یہ خدمات ہیں کہ اس نے اپنے نام سے کتاب لکھوائی جس میں پاکستانیوں کو برا بھلا کہا گیا، سلمان رشدی لعنتی کی تعریف و توصیف کی گئی، وہ سلمان رشدی جس نے قرآن کریم کی آیات کو شیطانی آیات کہا، جس نے نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اہل بیت رضی اللہ عنہم کو گالیاں دی تھیں، کیا یہ ہیں ڈاکٹر عبدالسلام اور ملالہ جیسے لوگ جن کی مدح و ستائش ہمارے صحافی بھائی کرتے نہیں تھکتے، وا اسفاہ!

افسوس تو یہ ہے کہ ہمارے مسلمان صحافی بھی حقوق انسانی اور انسان دوستی کے نام پر ان کے ہم نوا، ان کی تعلیمی، سیاسی اور پیشہ وارانہ مہارت کے حق میں جذباتی ہوئے چلے جا رہے ہیں، جب کہ ان کی اسلام اور پاکستان دشمنی، بھارت اور اسرائیل نوازی کی بابت ان کے خفیہ عزائم اور مہمات عوام کے سامنے لانے کی کوئی مؤثر کوشش نہیں کی جاتی۔

بہرکیف! جناب جاوید چوہدری صاحب! اگر ڈاکٹر عبدالسلام اور ملالہ کا واقعاتی پس منظر اسی داد و سپاس کا مستحق ہے جو آپ انہیں دلانا چاہتے ہیں تو اس عظیم کارنامہ پر پاکستان کے پراگندہ ماحول میں سچ گوئی اور حق پرستی پر آنجناب کے لئے بھی نوبل انعام ہونا چاہئے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین

مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد جمشید علی خان رحمۃ اللہ علیہ

مولانا سید محمد زین العابدین

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

عرصہ تک بیماری کو مغلوب کئے رہنے کے بعد بالآخر اُس سے مغلوب ہوکر بروز پیر مورخہ ۹ رمحرم الحرام ۱۴۳۶ھ (۳ رنومبر ۲۰۱۴ء) کو مغرب کے وقت مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے شیخ الحدیث اور دعوت وتبلیغ کے عالمی رہنما حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اُن کی وفات کی خبر سن کر دل ودماغ ماضی کے ان لمحات کے عکسی مشاہدات میں کھو گیا جو یادوں کے دریچوں سے نمایاں ہوکر میرے پردہ ذہن پر منعکس ہورہے تھے کہ ۲۰۱۱ کا سال تھا جب میں نے تبلیغی ترتیب پر ایک سال کا وقت لگایا تھا، اس دوران متعدد بار کئی کئی دنوں کے لئے رائے ونڈ مرکز میں قیام ہوا کرتا تھا، وہاں حضرت مولانا جمشید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی متعدد مرتبہ زیارت ہوئی، کئی باران کی دعا میں شریک ہونے کی سعادت بھی حاصل ہوئی اور معدودے چند مرتبہ انفرادی ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوا۔ مولانا جمشید صاحب اس دور قحط الرجال میں ان لوگوں میں سے تھے، جن کو دیکھ کر خدا یاد آتا تھا، وہ اتباع سنت کا پیکر تھے، وہ مجسمہ خیر وفلاح تھے، ان کی دینی خدمات، اس میں انہماک، لگن، جہد مسلسل اور زندگی کی سادگی کو دیکھ کر حضرات صحابہؓ کی زندگیوں کا نقشہ آنکھوں کے سامنے گھوم جاتا تھا۔

انہوں نے کم عمری میں ہی حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی صحبت اٹھائی تھی اور علمی فیض شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ سے حاصل کیا تھا، جب کہ تبلیغی تربیت حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحبؒ سے پائی تھی، ایسی شخصیت کا انتقال پوری ملت کا خسارہ ہے اور پیدا ہونے والا خلا واضح طور پر محسوس ہوتا ہے، حق تعالیٰ اپنے فضل سے ہم پر رحم فرمائے، ورنہ صورتِ حال بہت عجیب ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہی دور ہے جس میں علم اٹھایا جارہا ہے۔ پے در پے ایسی شخصیات رخصت ہورہی ہیں جو پوری ملت کے لئے ذخائر اور سرمایہ ہوتی ہیں۔ بہت ہی دعاؤں، استغفار اور اُمت کو اپنے اعمال درست کرنے کی ضرورت ہے۔

مولانا جمشید صاحبؒ کی شخصیت بڑی منفرد شخصیت تھی، جو کئی اللہ والوں اور اپنے وقت کے جید علماء کی محنتوں سے تیار ہوئی تھی، وہ کامل الاستعداد عالم تھے، وہ کامیاب مبلغ اور عمدہ مدرس تھے، غرض وہ وہ تھے جس کی تبلیغی جماعت کو آج اشد ضرورت ہے۔ وہ جب بیان کرتے تو موتی رولتے تھے، ان کا کئی گھنٹوں کا بیان قافیے در قافیوں پر مشتمل ہوتا تھا اور وہ بھی مکمل ہم وزن "قافیے" اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ بات بھی برجستہ اور دو ٹوک فرماتے تھے، کم از کم میں نے اب تک ان کا ایسا بیان نہیں سنا۔ اُن کا بیان کچھ اس طرح کا ہوتا (بیان کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو):

"اللہ رب العزت نے محض اپنے ارادہ اور قدرت سے سات آسمان، زمین، سورج، چاند، ہوا، آگ، پانی، مٹی، درندے، پرندے، چرندے، لکڑ، پتھر، لوہا، پیتل، تانبا، سردی، گرمی، روشنی، اندھیرا، انسان، جنات، فرشتے، چوپائے، غرض ہر مخلوق، تالاب، ندی، نالی محض اپنے ارادہ اور قدرت سے بنادی۔

زمین کا ارادہ کیا تو بن گئی، آسمانوں کا ارادہ کیا تو بن گئے، سورج، چاند، ستاروں کا ارادہ کیا تو وہ ہوگئے، غرض یہ کہ فرشتے ہوں یا جنات، انسان ہوں خواہ حیوانات، یہ سب کے سب اپنے بننے میں اللہ کے ارادہ اور قدرت کے محتاج ہیں۔

خود بنے نہیں، ان کی حیات ان کے اپنے ہاتھ میں نہیں، ان کی موت ان کے اپنے اختیار میں نہیں، عزت، ذلت، صحت، بیماری، کامیابی، ناکامی: یہ سب کچھ اللہ کے قبضہ اور قدرت میں ہے اور اللہ نے پوری زمین کے سارے انسان، قیامت تک کی نسلیں اور سب زمان، ہر ایک کی دنیا میں مرنے سے پہلے، قبروں میں اٹھنے سے پہلے، قیامت کے دن میں پل صراط پر چلنے سے پہلے، پل صراط پر جنت میں پہنچنے سے پہلے، ہر جگہ کی کامیابی، سب کی، نہ ملک کے ساتھ جوڑی ہے، نہ مال کے ساتھ رکھی ہے، نہ مادی اسباب پر رکھی ہے، ہر جگہ کی کامیابی اللہ رب العزت نے ہر موقع اور حال کے اپنے احکام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ اور اعمال کے ساتھ وابستہ

فرمائی ہے اور ہر موقع اور ہر حال کے اللہ رب العزت کے احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ادا کرنا اس کا اختیار اللہ رب العزت نے ہر ہر انسان کو اپنے پاس سے غیبی خزانہ سے عطا کیا ہے۔ جو انسان بھی ایمان لانے کا ارادہ کرے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے توفیق کا دروازہ کھول رکھا ہے۔

بھائی! جس کے پاؤں میں لیتھڑا نہیں، جس کے بدن پہ چیتھڑا نہیں، جس کی جیب میں ٹھیکرا نہیں، وہ بھی دین کا کام کرسکتا ہے اور اس کے لئے ساری دنیا میں پھر سکتا ہے۔''

اُن کو اللہ تعالیٰ نے برجستگی بھی خوب دی تھی، ایک بار شوریٰ کے مشورہ کے دوران رائے ونڈ مرکز میں ایک پولیس والا آیا اور باہر ہی سے مولانا جمشید صاحب کو کہا کہ'' مولانا! فلاں مکتب فکر کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟'' تو فوراً برجستگی سے فرمایا: ''بھائی! ہم رب کے ہیں، رب ہمارے ہیں، ہم سب کے ہیں، سب ہمارے ہیں۔'' چپ کر کے چلا گیا۔

ایک مرتبہ ایک دیہاتی آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ'' حضرت! آپ لوگ کہتے ہیں کہ جو اللہ کے راستے میں نکلتا ہے، اس کے مال و متاع کی حفاظت اللہ خود فرماتے ہیں، میں نکلا، پیچھے میری بھینس مرگئی؟'' فرمایا'' تجھے کیسے پتہ چلا؟'' کہنے لگا ''میں نے موبائل کے ذریعہ گھر رابطہ کیا تھا''، فرمایا ''تو تو اللہ کے راستہ میں تھا ہی نہیں تو تو گھر میں تھا، اگر سو فیصد اللہ کے راستہ میں ہوتا تو کبھی ایسا نہ ہوتا، تو نے کیوں رابطہ کیا گھر؟''

ایک مرتبہ جناب پرویز مشرف کے دور میں حکومتی آڈیٹروں کی ایک ٹیم مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کا آڈٹ کرنے کے لئے آئی، تو چونکہ مشورہ اور حضرت حاجی عبدالوہاب صاحب کے حکم سے طے تھا کہ حکومتی ایجنسیوں سے بات مولانا جمشید صاحب کریں گے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے اور جاتے ہی فرمایا'' ہاں بھائی! کیا چاہتے ہو؟'' وہ کہنے لگے کہ ہم آپ کے مدرسہ کا آڈٹ لینے کے لئے آئے ہیں، مولانا نے فرمایا'' تم نے ہمیں کیا دیا ہے، جو ہم سے لینے آئے ہو؟''

قابل ذکر ہے کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ عادتاً بہت ہی نرم طبیعت کے تھے، لیکن دین کے معاملہ میں سخت تھے، جب بھی حکومتی سطح پر دعوت وتبلیغ کے کام میں کوئی رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی گئی تو صاف کہتے تھے کہ ''بھائی! یہ اللہ کے راستہ کا کام ہے اس کے مدمقابل آؤ گے تو اپنا حشر دیکھو گے۔''

اسی طرح ایک مرتبہ ریلوے کے کوئی بڑی سطح کے ذمہ دار صاحب رائے ونڈ مرکز آئے اور کہنے لگے کہ'' ہم ہر ہر ٹرین کا رائے ونڈ پر اسٹیشن بنادیتے ہیں تاکہ آپ کی جماعت کے لوگوں کو سہولت ہو'' فوراً جلال میں فرمایا'' ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے، ہمارا تو ہر ساتھی لاہور جائے گا وہاں سے ٹرین پکڑے گا، مجاہدے اور قربانی سے دین پھیلا ہے، ہمیں آپ کی کسی سہولت کی ضرورت نہیں۔'' غرض ایسی صفات والے انسان تھے جو لوگوں کے دلوں میں بستے تھے۔

وہ ۱۹۲۸ء میں قصبہ بھیسانی تحصیل کیرانہ ضلع مظفر نگر یوپی (انڈیا) میں پیدا ہوئے تھے، ابتدائی عصری تعلیم پرائمری تک آبائی گاؤں میں ہی حاصل کی تھی پھر حفظ قرآن کے لئے دینی مدرسہ میں داخل ہوئے تھے۔

حفظ قرآن کے بعد درسیات کے لئے مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد ضلع مظفر نگر، حضرت تھانویؒ کے خلیفہ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ کے زیر سایہ ابتدائی تعلیم فارسی، صرف ونحو، ادب اور اُصول فقہ پھر شرح جامی، حسامی تک حاصل کی اور اسی مدرسے میں حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ العالی سے شرف تلمذ حاصل ہوا، جب کہ وہ خود آخری درجات کے طالب علم تھے، اس کے بعد علوم وفنون کی تعلیم کے لئے ایشیا کی عظیم دینی درس گاہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور وہاں تمام فنون کی تکمیل کے بعد ۵۲۔ ۱۹۵۱ء میں دورہ حدیث میں شرکت فرمائی اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، امام الادب حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ اور حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ اور دیگر مشاہیر امت سے اکتساب فیض کیا۔

ہمارے دوست مولانا محمد عمار فاضل رائے ونڈ نے بتایا کہ ایک بار رائے ونڈ مرکز حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ تشریف لائے اور دوران ملاقات حضرت مولانا جمشید صاحبؒ سے پوچھا کہ'' مولانا! آپ نے بخاری شریف حضرت مدنیؒ سے پڑھی تھی؟'' حضرت مولانا جمشید صاحبؒ نے فرمایا جی سن ۵۰ و۵۱ء میں پڑھی تھی، حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ نے جواباً فرمایا: ''بارک اللہ۔''

دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد ۱۹۵۲ء میں پاکستان ہجرت فرمائی اور دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار سندھ میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے زیر اہتمام اور دیگر اکابر علماء ومشائخ کے زیر سایہ اپنی تدریس کا آغاز فرمایا اور مسلسل بارہ سال تک انتہائی جانفشانی کے ساتھ علوم وفنون اور حدیث شریف کا درس دیا۔

اس حوالہ سے مولانا محمد زاہد نائب رئیس جامعہ امدادیہ فیصل آباد نے بتایا:

''مولانا جمشید رحمۃ اللہ علیہ یوپی کے ضلع مظفر نگر کے رہنے والے تھے، اُن کے خاندان کا حضرت تھانویؒ سے تعلق تھا، مولانا

رحمۃ اللہ علیہ بچپن میں پیدل ہی اپنے قصبے سے تھانہ بھون چلے جایا کرتے تھے، اپنی سادہ زندگی اور اپنے کام میں فنائیت کی حد تک اِنہماک میں وہ اپنی مثال آپ تھے، ہماری ان کے خاندان سے بچپن کی یادیں وابستہ ہیں، دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار کے سامنے مولانا کے بھائی نذیر علی اور ریاست علی رہائش پذیر تھے، نذیر علی دار العلوم کے مؤذن بھی تھے اور دار العلوم ہی کی زمین ٹھیکے پر لے کر کاشت کاری بھی کرتے تھے، بھینسیں بھی رکھی ہوئی تھیں، ہم عصر کے بعد ان کے گھر سے روزانہ دودھ لینے کے لئے جاتے تھے بعض اوقات دودھ دوہنے کے انتظار میں کچھ دیر بیٹھنا بھی پڑتا، اس زمانے میں مولانا جمشید علیؒ کا بکثرت وہاں آنا جانا ہوتا تھا، پورا خاندان خلوص اور بہت ہی سادہ طرزِ زندگی کا مرقع تھا۔ جب بھی رائے ونڈ جانا ہوتا بہت شفقت کا معاملہ فرماتے، بے نفسی اور کام سے لگن کے کئی نقوش ذہن پر مرتسم ہیں، والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ امتحان لینے کے لئے رائے ونڈ جایا کرتے تھے، اس موقع پر ایک آدھ مرتبہ بعض مسائل پر والد صاحب اور دیگر علما کے ساتھ مباحثہ بھی ہوا جو علمی اختلاف رائے کی خوب صورت مثال تھا۔"

یوں تو آپ شب و روز درس و تدریس اور ارشاد و اصلاح میں مصروف تھے اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تحریک ''مجلس صیانۃ المسلمین'' میں شامل ہو کر ذمہ دارانہ حیثیت سے شریک ہوتے تھے، لیکن مسبب الاسباب کو آپ کی افادیت عام کرنا مقصود تھی، چنانچہ مجدد تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کی ایمانی تحریک کی جماعت دعوت و تبلیغ کے لئے دار العلوم ٹنڈو الہ یار تک پہنچی، ایک دن دوران وضو تبلیغی جماعت کے ایک میواتی بھائی نے مسواک کے نہ ہونے کی وجہ سے آہ بھری، اس آہ نے مولانا کے دل کو ایسا متاثر کیا کہ آپ تبلیغی کام کے ہو کر رہ گئے۔

چنانچہ آپ نے اس واقعہ کے بعد اپنے آپ کو رائے ونڈ مرکز کی تبلیغی و تدریسی خدمات کے لئے وقف کر دیا اور باوجود پیرانہ سالی اور ضعف و اعذار کے ۱۹۶۴ء سے تا وفات مرکز سے وابستہ رہے۔ ۱۹۹۷ء تک آپ مختلف علوم و فنون اور تفسیر جلالین جیسی کتابوں کا درس دیتے رہے، ۱۹۹۷ء میں حضرت مولانا ظاہر شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد آپ صدر مدرس کے عہدے پر فائز ہوئے اور ۱۹۹۹ء میں جب مدرسہ عربیہ رائیونڈ میں دورۂ حدیث کا درجہ شروع ہوا تو آپ کے حصے میں بخاری شریف آئی اور یوں آپ صدر مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ شیخ الحدیث کے عظیم منصب پر بھی جلوہ افروز ہوئے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ ۳۶ گھنٹے کے مسلسل سفر کے باوجود سبق کا ناغہ نہ فرماتے تھے، آپ بھی اپنے اُستاذ حضرت مدنیؒ کی اس سنت کو جاری رکھے ہوئے تھے، آپ کا درس تمام حضرات کے دروس سے مختلف ہوتا تھا کیونکہ مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کا نصاب ہی کچھ ایسے خطوط پر استوار ہے کہ اِبتدائی درجات میں ہی عبارت کا حل کرنا، مطلب بیان کرنا، مشکل الفاظ کے معانی بیان کرنا طلباء ہی کے ذمہ ہوتا ہے، لہٰذا آپ کے درس میں مشکل الفاظ و عبارت کے مطالب، اختلافاتِ ائمہ اور احناف کی وجہ ترجیح کا بیان کرنا طالب علم کے ذمہ ہی ہوتا ہے، تاہم کوئی تاریخی واقعہ یا کوئی علم ہیئت یا سائنس یا علم جغرافیہ کا کوئی مسئلہ ہو تو آپ اِنتہائی شرح و بسط کے ساتھ عام فہم الفاظ میں وضاحت فرماتے تھے۔

سینکڑوں طلباءِ علومِ نبوت نے آپ سے اکتسابِ فیض کیا، آپ کے تلامذہ مشرق و مغرب، شمال و جنوب، عرب و عجم، روس و افریقہ میں اعلاءِ کلمۃ اللہ کی اِشاعت اور احیاءِ علوم نبویہ کے لئے مصروف عمل ہیں، غرض دنیا کے جس خطے میں بھی مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کا فاضل ملے گا، اس نے آپ سے ہی زانوئے تلمذ تہہ کیا ہوگا۔

آپ کا وجود مسعود اگر مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کا دل تھا تو آپ کا وجود تبلیغ کے لئے روح تھا، غرضیکہ آپ کی صلاحیتیں اور کاوشیں دعوت و تبلیغ کے لئے بھی ایسے ہی وقف رہیں جیسے کہ درس و تدریس کے لئے وقف تھیں، پاکستان کے تمام چھوٹے بڑے شہر تقریباً سب ہی جگہ آپ دعوت کے کام کے لئے گئے تھے نیز افریقہ اور یورپ کے بعض ممالک اور عرب کے اکثر ممالک میں آپ کے تبلیغی اسفار بھی ہوئے تھے۔ رائے ونڈ مرکز کے روزانہ کے اعمال، ہدایات، کار گزاری، واپسی کی بات، علماء میں بیان، عربوں میں بیان، عشاء کی تعلیم اور جانے والی جماعتوں کی آخری دعاء تک ہر ہر عمل مشورہ سے آپ کو دیا جاتا رہا۔ جب کہ عربوں میں جو آپ کا بیان ہوتا تھا اس میں فصیح عربی میں خطاب فرماتے، سنا گیا ہے کہ عرب حضرات آپ کا بیان سن کر جھومنے لگتے تھے۔ یہی حال آپ کے اکلوتے صاحبزادے مولانا عبید اللہ خورشید صاحب مدظلہ کا ہے کہ اس وقت رائے ونڈ مرکز میں ان سے فصیح و بلیغ عربی بولنے، سمجھنے اور سمجھانے والا دوسرا کوئی نہیں، جس کا مشاہدہ راقم الحروف کو بھی ہوا اور مولانا محمد اشفاق صاحب جلال پوری ناظم مدرسہ امام ابو یوسف شادمان ٹاؤن سمیت بہت سے علماء جب رائے ونڈ تشریف لائے تو وہ بھی مولانا خورشید صاحب کی عربی گفتگو سن کر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے، اور برجستہ کہنے لگے کہ تبلیغ والوں کے پاس بھی

اتنے کامل الاستعداد علماء موجود ہیں؟۔ بلاشبہ یہ مولانا جمشید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قربانی اور جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ وہ خود تو دنیا سے چلے گئے لیکن ایسی باصلاحیت اور فاضل و نیک اولاد چھوڑ گئے کہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ خود بھی یہیں کہیں موجود ہیں۔

اُن کا کبھی کبھی اجتماع رائے ونڈ میں اور اجتماع کراچی میں اکثر بیان ہوتا تھا، بیان میں کئی بار فرمایا کہ ’’میں بیان کرتا ہوں تو مجھے تکلیف ہوتی ہے اور اگر نہ کروں تو بھی مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ بیان کرنے سے تکلیف اس لئے ہوتی ہے کہ میں اس قابل نہیں ہوں اور نہ کروں تو تکلیف اس لئے ہوتی ہے کہ اُمت دعوت کے کام سے محروم نہ ہو جائے۔‘‘

ان کا بچپن حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے گھر میں گزرا تھا اور یہ واقعہ بھی ان کے حوالہ سے مشہور ہے جو راقم نے کئی بزرگوں سے سنا کہ ’’آپ کم عمری میں حضرت تھانویؒ کے مختلف پیغامات اُن کے گھر پہنچانے کے لئے حضرت کی دونوں اہلیاؤں کے پاس جاتے تھے، جب آپ بلوغت کی عمر کو پہنچے تو حضرت تھانویؒ کی بڑی اہلیہ نے آپ سے کہا کہ جمشید! اب تم بڑے ہوگئے ہو، لہٰذا اب نامحرموں سے پردہ کیا کرو، اور بتلایا کہ نامحرموں میں کون کون آتا ہے، تو جب مولانا جمشید صاحب گھر گئے تو باہر ہی سے والدہ کو کہا کہ بھابیوں سے کہہ دیں مجھ سے پردہ کرلیں، بھابیاں ہنسنے لگیں کہ ہم نے اس کو گودوں میں کھلایا اب یہ ہم سے پردہ کرے گا، لیکن مولانا باہر ہی کھڑے رہے اور والدہ سے کہا کہ میں واپس مدرسہ چلا جاؤں گا، گھر میں داخل نہ ہوں گا اگر انہوں نے پردہ نہ کیا، بالآخر چاروناچار مولانا کی ہدایت پر عمل ہوا تو گھر میں داخل ہوئے۔‘‘

بیعت وسلوک کی منزلیں طے کرنے کے لئے اوّل اوّل آپ حضرت تھانویؒ کی صحبت میں رہے، پھر حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ (خلیفہ مجاز حضرت تھانویؒ) سے تعلق جوڑا، اس حوالہ سے آج حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ کے خلیفہ و داماد اور بھانجے مولانا وکیل احمد شیروانی صاحب دامت برکاتہم سے راقم کی گفتگو ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ ’’مولانا جمشید صاحبؒ فانی الشیخ تھے، ان کا حضرت مسیح الامتؒ سے گہرا اور مضبوط تعلق تھا، ہندوستان میں ہوتے ہوئے تو باقاعدہ حضرت کی صحبت میں رہے، جب پاکستان تشریف لے آئے تو یہاں سے بھی شیخ سے بھرپور تعلق رکھا۔‘‘ یہی وجہ تو تھی کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ اُمت کے لئے راتوں کو اُٹھ کر اللہ سے التجائیں کرنے والے تھے، وہ تہجد میں اٹھ کر روتے تھے، کڑھتے تھے، غمزدہ ہوتے تھے اور دن کو فکر مندی کے ساتھ دعوت و تبلیغ اور درس و تدریس میں مصروف عمل رہتے تھے، آپ کی وفات کے اگلے دن فجر کے بعد کے بیان میں حضرت الحاج محمد عبد الوہاب صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا: ’’آج اُمت کے لئے راتوں کو اُٹھ کر رونے والا مولوی جمشید چلا گیا، ہر چیز اللہ کی ہے، ہر کام اس کا محتاج ہے، اللہ کی چیز تھی اس نے واپس لے لی۔‘‘ ایسی عظیم ہستی کا وجود مسعود ہی ہم لوگوں کے لئے باعث خیر و برکت تھا۔ لیکن وکان امر اللہ قدراً مقدوراً۔

معلوم ہوا کہ آپ کا جنازہ جو ۱۰ محرم بعد ظہر اجتماع گاہ رائے ونڈ میں صاحبزادہ مولانا عبید اللہ خورشید صاحب نے پڑھایا، لاکھوں کا مجمع تھا، جو ان شاء اللہ عند اللہ مقبولیت کی علامت ہے۔ دعا ہے کہ حق تعالیٰ مولانا جمشید صاحب کی کامل مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرما کر ہم سب کو عملاً دین دار بنادے۔ آمین ثم آمین۔

☆☆..............☆☆

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا عشق رسول!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد حضرت بلالؓ شام کی طرف ہجرت کر گئے۔ ایک سال کے بعد خواب میں نبی علیہ السلام کی زیارت ہوئی تو فرمایا: ’’اے بلال! تم نے ہم سے ملنا چھوڑ دیا، اتنی دور ٹھکانہ بنالیا۔‘‘ حضرت بلالؓ کی آنکھ کھل گئی، عشق نبوی نے اتنا جوش مارا کہ رات کے وقت اونٹنی پر سوار ہوکر مدینہ کی طرف بڑھے، جب مدینہ میں پہنچے تو صحابہ کرامؓ نے اذان دینے کی فرمائش کی۔ ابتدا میں حضرت بلالؓ نے انکار کیا، لیکن جب خاندان نبوت کے شہزادوں حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ عنہما نے درخواست کی تو بات ماننی پڑی، جونہی اذان دینی شروع کی تو صحابہ کرامؓ دور نبوی کی اذان سن کر تڑپ اٹھے اور یاد رسول میں زار و قطار رونا شروع کردیا۔ جب ’’اشہد ان محمد رسول اللہ‘‘ پر پہنچے تو مدینے کی عورتیں بھی روتی ہوئی گھروں سے نکل آئیں، بچے اپنی ماؤں سے پوچھنے لگے کہ حضرت بلالؓ تو واپس آگئے، بتاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کب واپس آئیں گے؟ حضرت بلالؓ دور نبوی میں جب اذان کہتے تو نبی علیہ السلام کی زیارت بھی کرلیتے تھے، اس مرتبہ جب نبی علیہ السلام کے چہرۂ انور کو سامنے نہ پایا تو غم میں بے ہوش ہوکر گئے، کافی دیر بعد ہوش آیا تو روتے ہوئے ملک شام واپس آگئے۔ (مدارج النبوۃ، ص:۲۳۶ بحوالہ عشق رسول)

انتخاب: حافظ محمد سعید لدھیانوی

ماہِ صفر المظفر کی بدعات ورسومات

مفتی محمد راشد ڈسکوی

اسلامی سال کا دوسرا مہینہ "صَفَرُ الْمُظَفَّر" شروع ہو چکا ہے، یہ مہینہ انسانیت میں زمانہ جاہلیت سے ہی منحوس، آسمانوں سے بلائیں اترنے والا اور آفتیں نازل ہونے والا مہینہ سمجھا جاتا ہے، زمانہ جاہلیت کے لوگ اس ماہ میں خوشی کی تقریبات (شادی، بیاہ اور ختنہ وغیرہ) قائم کرنا منحوس سمجھتے تھے اور قابلِ افسوس امر یہ ہے کہ یہی نظریہ نسل در نسل آج تک چلا آ رہا ہے، حالانکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت ہی صاف اور واضح الفاظ میں اس مہینے اور اس مہینے کے علاوہ پائے جانے والے والے توہمات اور قیامت تک کے باطل نظریات کی تردید اور نفی فرما دی اور علی الاعلان ارشاد فرما دیا کہ: (اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر) ایک شخص کی بیماری دوسرے کو (خود بخود) لگ جانے (کا عقیدہ)، ماہِ صفر (میں نحوست ہونے کا عقیدہ) اور ایک مخصوص پرندے کی بدشگونی (کا عقیدہ) سب بے حقیقت باتیں ہیں، ملاحظہ ہو:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال النبي ﷺ: "لا عَدْوَىٰ ولا صَفَرَ ولا هَامَةَ." (صحيح البخاري، كتاب الطب، باب الهامة، رقم الحديث: 5770، المكتبة السلفية)

مذکورہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں اس قسم کے فاسد و باطل خیالات و نظریات کی کوئی گنجائش نہیں ہے، ایسے نظریات و عقائد کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاؤں تلے روند چکے ہیں۔

ماہِ صفر کے بارے میں ایک موضوع اور من گھڑت روایت کا جائزہ:

ماہِ صفر کے متعلق نحوست والا عقیدہ پھیلانے کی خاطر دشمنانِ اسلام نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب جھوٹی روایات پھیلانے جیسے مکروہ اور گھناؤنے افعال سے بھی دریغ نہیں کیا، ذیل میں ایک ایسی ہی من گھڑت روایت اور اس پر ائمہ جرح و تعدیل کا کلام ذکر کیا جاتا ہے، وہ من گھڑت حدیث یہ ہے:

"مَنْ بَشَّرَنِي بِخُرُوْجِ صَفَرٍ، بَشَّرْتُهُ بِالْجَنَّةِ."

ترجمہ: "جو شخص مجھے صفر کے مہینے کے ختم ہونے کی خوشخبری دے گا، میں اُسے جنت کی بشارت دوں گا۔"

اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے صفر کے مہینے کو منحوس سمجھا جاتا ہے، طریقہ استدلال یہ ہے کہ چوں کہ اس مہینہ میں نحوست تھی، اس لئے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مہینے کے صحیح سلامت گذرنے پر جنت کی خوشخبری دی ہے۔

تو اس بارے میں جان لینا چاہئے کہ:

یہ حدیث صحیح و معتبر نہیں ہے، بلکہ موضوع اور لوگوں کی گھڑی ہوئی ہے، اس کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنا جائز نہیں ہے، چناں چہ ائمہ حدیث نے اس من گھڑت حدیث کے موضوع ہونے کو واضح کرتے ہوئے اس عقیدے کے باطل ہونے کو بیان کیا ہے، ان ائمہ میں ملا علی قاری، علامہ عجلونی، علامہ شوکانی اور علامہ طاہر پٹنی رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں، ان حضرات ائمہ کا کلام ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

چنانچہ ملا علی القاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"مَنْ بَشَّرَنِي بِخُرُوْجِ صَفَرٍ، بَشَّرْتُهُ بِالْجَنَّةِ" لا أصل له." (الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة المعروف بالموضوعات الكبرى، حرف الميم، رقم الحديث: 437، 2/324، المكتب الإسلامي)

اور علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی رحمہ اللہ ملا علی قاری رحمہ اللہ کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں کہ:

"مَنْ بَشَّرَنِي بِخُرُوْجِ صَفَرٍ، بَشَّرْتُهُ بِالْجَنَّةِ" قال القاري في الموضوعات تبعاً للصغاني: "لا أصل له." (كشف الخفاء و مزيل الإلباس، حرف الميم، رقم الحديث: 2418، 2/538، مكتبة العلم الحديث)

اور شیخ الاسلام محمد بن علی الشوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"مَنْ بَشَّرَنِي بِخُرُوْجِ صَفَرٍ، بَشَّرْتُهُ بِالْجَنَّةِ" قال الصغاني: "موضوع". وكذا قال العراقي." (الفوائد المجموعة في أحاديث الضعيفة والموضوعة للشوكاني، كتاب الفضائل،

أحاديث الأدعية والعبادات في الشهور، رقم الحديث: 1260، ص: 545، نزار مصطفى الباز، مكة المكرمة)

اور علامہ محمد طاہر پٹنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وكذا (أي: موضوع) "مَنْ بَشَّرَنِيْ بِخُرُوْجِ صَفَرَ، بَشَّرْتُهُ بِالْجَنَّةِ" قزويني، وكذا قال أحمد بن حنبل: اللآلي عن أحمد ومما تدور في الأسواق ولا أصل له." (تذكرة الموضوعات للفتني، ص: 116، كتب خانه مجيديه، ملتان)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ترجمہ: "میں نے ایسے لوگوں کے بارے میں دریافت کیا جو ماہِ صفر میں سفر نہیں کرتے (یعنی: سفر کرنا درست نہیں سمجھتے) اور نہ ہی اس مہینے میں اپنے کاموں کو شروع کرتے ہیں، مثلاً: نکاح کرنا اور اپنی بیویوں کے پاس جانا وغیرہ اور اس بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان" کہ جو مجھے صفر کے مہینے کے ختم ہونے کی خوشخبری دے گا، میں اُسے جنت کی بشارت دوں گا" سے دلیل پکڑتے ہیں، کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مبارک (سند کے اعتبار سے) صحیح ہے؟ اور کیا اس مہینے میں نحوست ہوتی ہے؟ اور کیا اس مہینے میں کسی کام کے شروع کرنے سے روکا گیا ہے؟..... تو جواب ملا کہ ماہِ صفر کے بارے میں جو کچھ لوگوں میں مشہور ہے، یہ کچھ ایسی باتیں ہیں جو اہلِ نجوم کے ہاں پائی جاتی تھی، جنہیں وہ اس لئے رواج دیتے تھے کہ ان کا وہ قول ثابت ہو سکے، جسے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے تھے، حالاں کہ یہ صاف اور کھلا ہوا جھوٹ ہے۔" (الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية، باب المتفرقات: 5/ 461، دار الكتب العلمية)

محدثین عظام کی تصریحات کے مطابق مذکورہ حدیث موضوع اور منگھڑت ہے، لیکن اگر کچھ لمحات کے لئے یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ یہ حدیث صحیح ہے تو بھی اس حدیث سے ماہِ صفر کے منحوس ہونے پر دلیل پکڑنا درست نہیں ہے، بلکہ اس صورت میں اس کا صحیح مطلب اور مصداق یہ ہوگا کہ چوں کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ربیع الاول میں وصال ہونے والا تھا اور آپ ﷺ کو اپنے رب عزوجل سے ملاقات کا بے حد اشتیاق تھا، اس لئے ربیع الاول کے شروع ہونے کا انتظار تھا، چناں چہ اس شخص کے لئے آپ نے جنت کی بشارت کا اعلان فرمادیا جو ماہِ صفر کے ختم ہونے کی (اور ربیع الاول شروع ہونے کی) خبر لے کر آئے۔

خلاصہ کلام! یہ کہ اس حدیث کا (بصورتِ صحیح ہونے) ماہِ صفر کی نحوست سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے، بلکہ اسے محض مسلمانوں میں غلط نظریات پھیلانے کی غرض سے گھڑا گیا ہے۔

ماہِ صفر کے آخری بدھ کی شرعی حیثیت:

ماہِ صفر کے بارے میں لوگوں میں مشہور غلط عقائد ونظریات میں ایک "اس مہینے کے آخری بدھ" کا نظریہ بھی ہے، کہ اس بدھ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیماری سے شفا ملی اور آپ نے غسلِ صحت فرمایا، لہٰذا اس خوشی میں مٹھائیاں بانٹی جاتی ہیں، شیرینی تقسیم کی جاتی ہے اور بہت سے علاقوں میں تو اس دن خوشی میں روزہ بھی رکھا جاتا ہے اور خاص طریقے سے نماز بھی پڑھی جاتی ہے، حالاں کہ یہ بالکل خلافِ حقیقت اور خلافِ واقعہ بات ہے، اس دن تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرضِ وفات کی ابتداء ہوئی تھی، نہ کہ مرض کی انتہاء اور شفاء، یہ افواہ اور جھوٹی خبر دراصل یہودیوں کی طرف سے آپ کی مخالفت میں آپ کے بیمار ہونے کی خوشی میں پھیلائی گئی تھی اور مٹھائیاں تقسیم کی گئی تھیں۔ ذیل میں اس باطل نظریئے کی تردید میں اکابر علماء کے فتاویٰ اور دیگر عبارات پیش کی جاتی ہیں جن سے اس رسم بد اور غلط روش کی اور صفر کے آخری بدھ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شفایاب ہونے یا بیمار ہونے کی اچھی طرح وضاحت ہو جاتی ہے۔

ماہِ صفر کے آخری بدھ روزہ رکھنے کا شرعی حکم:

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ "امداد المفتین" میں ایک سوال کے جواب میں صفر کے آخری بدھ کے روزے کی شرعی حیثیت واضح کرتے ہیں، جو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

سوال: ماہِ صفر کا آخری چہار شنبہ بلاد ہند میں مشہور بایں طور ہے کہ اس دن خصوصیت سے نفلی روزہ رکھا جاتا ہے اور شام کو کھچوری یا حلوہ پکا کر کھایا جاتا ہے، عوام اس کو" کھچوری روزہ" یا" پیر کا روزہ" کہتے ہیں، شرعاً اس کی کوئی اصل ہے یا نہیں؟

جواب: بالکل غلط اور بے اصل ہے، اس [روزہ] کو خاص طور سے رکھنا اور ثواب کا عقیدہ رکھنا بدعت اور ناجائز ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ رضوان اللہ عنہم اجمعین سے کسی ایک ضعیف حدیث میں [بھی] اس کا ثبوت بالالتزام مروی نہیں اور یہی دلیل ہے اس کے بطلان وفساد اور بدعت ہونے کی، کیونکہ کوئی عبادت ایسی نہیں، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو تعلیم کرنے سے بخل کیا ہو۔ (امداد المفتین، فصل فی صوم ماعد رسوم اہل، ص: 416، دار الاشاعت)

فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:

صفر کے آخری چارشنبہ کا حکم:

سوال: صفر کے آخری چہار شنبہ کو اکثر عوام خوشی وسرور وغیرہ میں اطعام الطعام [کھانا کھلانا] کرتے ہیں، شرعاً اس باب میں کیا ثابت ہے؟

جواب: شرعاً اس باب میں کچھ بھی ثابت نہیں، سب جہلاء کی باتیں ہیں۔ (فتاوی رشیدیہ، کتاب العلم،ص:171، عالمی مجلس تحفظ اسلام، کراچی)

کفایت المفتی میں ہے:

صفر کے آخری بدھ کی رسومات اور فاتحہ کا حکم:

سوال: آخری چہار شنبہ جو صفر کے مہینے میں ہوتا ہے، اس کا کرنا شریعت میں جائز ہے یا نہیں؟

جواب: آخری چہار شنبہ کے متعلق جو باتیں مشہور ہیں اور جو رسمیں ادا کی جاتی ہیں، یہ سب بے اصل ہیں۔ (کفایت المفتی، کتاب العقائد:2/302، ادارہ الفاروق، جامعہ فاروقیہ کراچی)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

صفر کے آخری چہار شنبہ کو مٹھائی تقسیم کرنا:

سوال: یہاں مراد آباد میں ماہ صفر کے آخری چہار شنبہ کو" کارخانہ دار" ان ظروف کی طرف سے کاریگروں کو شیرینی تقسیم کی جاتی ہے، بلا مبالغہ یہ ہزار ہا روپیہ کا خرچ ہے، کیونکہ صد ہا کاریگر ہیں اور ہر ایک کو اندازاً کم وبیش پاؤ بھر مٹھائی ملتی ہے، ان کے علاوہ دیگر کثیر متعلقین کو کھلانی پڑتی ہے، مشہور یہ روایت کر رکھی ہے کہ اس دن حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل صحت کیا تھا، مگر از روئے تحقیق بات برعکس ثابت ہوئی کہ اس دن حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات میں غیر معمولی شدت تھی، جس سے خوش ہو کر دشمنان اسلام یعنی یہودیوں نے خوشی منائی تھی، احقر نے اس کا ذکر ایک کارخانہ دار سے کیا تو معلوم ہوا کہ جاہل کاریگروں کی ہوا پرستی اور لذت پروری اتنی شدید ہے کہ کتنا ہی ان کو سمجھایا جائے وہ ہرگز نہیں مانتے اور چونکہ کارخانوں کی کامیابی کا دارومدار کاریگروں ہی پر ہے، تو اگر کوئی کارخانہ دار ہمت کر کے شیرینی تقسیم نہ کرے تو جاہل کاریگر اس کے کارخانہ کو سخت نقصان پہنچائیں گے، یعنی کام کرنا چھوڑ دیں گے۔

الف: حقیقت کی رو سے مذکورہ تقسیم شیرینی کا شمار افعال کفریہ، اسلام دشمنی سے ہونا تو عقلاً ظاہر ہے، تو بلا عذر شرعی اس کے مرتکب پر کفر کا فتویٰ لگتا ہے یا نہیں؟ اگرچہ وہ مذکورہ حقیقت سے ناواقف ہی کیوں نہ ہو؟

ب: جاہل کاریگروں کی ایذا رسانی سے حفاظت کے لئے کارخانہ داروں کا فعل مذکور میں معذور مانا جاسکتا ہے؟

ج: ماہ صفر کے آخری چہار شنبہ سے متعلق جو صحیح روایات اوپر مذکور ہوئیں، وہ کس کتاب میں ہیں؟

و: حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات میں شدت کی خبر پا کر یہودیوں نے کس طرح خوشی منائی تھی؟

الجواب حامداً ومصلیاً: ماہ صفر کے آخری چہار شنبہ کو خوشی کی تقریب منانا، مٹھائی وغیرہ تقسیم کرنا شرعاً بے دلیل ہے، اس تاریخ میں غسل صحت ثابت نہیں، البتہ شدت مرض کی روایت "مدارج النبوۃ" (2/704-707، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی) میں ہے۔

یہود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شدت مرض سے خوشی ہونا بالکل ظاہر اور ان کی عداوت و شقاوت کا تقاضا ہے۔

(الف) مسلمانوں کا اس دن مٹھائی تقسیم کرنا نہ شدت مرض کی خوشی میں [ہوتا] ہے، نہ یہود کی موافقت کی خاطر [ہوتا] ہے، نہ ان کو اس روایت کی خبر ہے، نہ یہ فی نفسہٖ کفر وشرک ہے، اس لئے ان حالات میں کفر وشرک کا حکم نہ ہوگا۔ ہاں یہ کہا جائے گا کہ یہ طریقہ غلط ہے، اس سے بچنا لازم ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس روز غسل صحت [کرنا] ثابت نہیں ہے، [اور آپ ﷺ کی طرف] کوئی غلط بات منسوب کرنا سخت معصیت ہے، [نیز] بغیر نیت موافقت بھی یہود کا طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہئے۔

(ب) نہایت نرمی وشفقت سے کارخانہ دار اپنے کاریگروں کو بہت پہلے سے تبلیغ وفہمائش کرتا رہے اور اصل حقیقت اس کے ذہن میں اتار دے، ان کا مٹھائی کا مطالبہ کسی دوسری تاریخ میں حُسنِ اُسلوب سے پورا کر دے، مثلاً: رمضان، عید [الفطر]، بقرعید وغیرہ کے موقع پر دے دیا کرے، جس سے ان کے ذہن میں یہ نہ آئے کہ یہ بخل کی وجہ سے انکار کرتا ہے، بہرحال کارخانہ دار بڑی حد تک معذور ہے۔

(ج) مدارج النبوۃ میں ہے۔ (2/704-707، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی)

(د) یہود نے کس طرح خوشی منائی؟ اس کی تفصیل نہیں معلوم۔ (فتاوی محمودیہ، باب البدعات والرسوم:3/280، ادارہ الفاروق، جامعہ فاروقیہ کراچی)

احسن الفتاوی میں ہے:

صفر کے آخری بدھ میں عمدہ کھانا پکانا:

سوال: ماہ صفر کے آخری بدھ کو بہترین کھانا پکانا درست ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ماہ صفر کے آخری بدھ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض سے شفاء ہوئی تھی، اس خوشی میں کھانا پکانا چاہئے، یہ درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب: یہ غلط اور من گھڑت عقیدہ ہے، اس لئے ناجائز اور گناہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (احسن الفتاوی، کتاب الایمان والعقائد، باب فی رد البدعات: 1/360، ایچ ایم سعید)

فتاویٰ فریدیہ میں ہے:

صفر کے آخری بدھ کو چُری کرنا بدعت اور رسم قبیحہ ہے:

سوال: ہمارے علاقے صوبہ سرحد میں ماہ صفر میں خیرات کرنے کا ایک خاص طریقہ رائج ہے، جس کو پشتو زبان میں (چُری) کہتے ہیں، عوام الناس کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحت یابی کی خوشی میں کی تھی۔

''ماہنامہ النصیحہ'' میں مولانا گوہر شاہ اور مولانا رشید احمد صدیقی مفتی دارالعلوم حقانیہ نے اپنے اپنے مضامین میں اس کی تردید کی ہے کہ یہ (چُوری) و خیرات یہودیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی خوشی میں کی تھی اور مسلمانوں میں یہ رسم [وہاں] سے منتقل ہوگئی ہے، اس کی وضاحت فرمایئے؟

جواب: چونکہ چُوری نہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور نہ آثار اور کتبِ فقہ سے۔ لہٰذا اس کو ثواب کی نیت سے کرنا بدعتِ سیئہ ہے اور رواج کی نیت سے کرنا رسمِ قبیحہ اور التزام ما لا یلزم ہے، نیز حاکم کی روایت میں مسطور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے آخری چہار شنبہ میں زیادتی آئی تھی اور عوام کہتے ہیں کہ بیماری میں خفت آگئی تھی اور عوام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرتے ہیں کہ ''انہوں نے چُوری مانگی'' اور یہ نسبت وضعِ حدیث اور حرام ہے، لعدم ثبوت ھذا الحدیث في کتب الأحادیث ولا بالإسناد الثابت، وھو الموفق. (فتاوٰی فریدیہ، کتاب السنۃ والبدعۃ، 1/296، مکتبہ دارالعلوم صدیقیہ صوابی)

چُوری کے بارے میں دلائل غلط اور من گھڑت ہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین، مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

صفر کے آخری بدھ کو جو چُوری کی جاتی ہے، اس کے جواز میں دو دلائل پیش کئے جاتے ہیں، (۱) کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس صفر کے مہینے میں بیمار ہوئے تھے، پھر جب اس مہینے میں صحت یاب ہوئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے شکریہ میں خیرات و صدقہ کیا ہے، (۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اس مہینے میں بیمار ہوئے، تو یہود نے اس کی خوشی ظاہر کرنے کے لئے اس مہینے میں خیرات کیا اور خوشی منائی، لہٰذا ہم جو یہ خیرات کرتے ہیں یا تو اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خیرات کی تھی یا یہود کے مقابلے میں کہ جو انہوں نے خوشی منائی تھی، ہم قصداً ان سے مقابلے میں تشکرِ نعمت کے لئے کرتے ہیں، لہٰذا علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ یہ دلائل صحیح ہیں یا غلط؟

جواب: ثواب کی نیت سے چُوری کرنا بدعت سیئہ ہے، کیونکہ غیر سنت کو سنت قرار دینا غیرِ دین کو دین قرار دینا ہے، جو کہ بدعت ہے، ان مجوزین کے لئے ضروری ہے کہ ان احادیثِ مذکورہ کی سند ذکر کریں اور یا ایسی کتاب کا حوالہ دیں جو کہ سندِ احادیث کو ذکر کرتی ہو یا کم از کم کتبِ فقہ متداولہ کا حوالہ ذکر کریں، ولن یأتوا بھا ولو کان بعضھم لبعض ظھیراً.

مزید بریں! یہ کہ حاکم نے روایت کی ہے کہ پیغمبر آخری چہار شنبہ کو بیمار ہوئے، یعنی بیماری نے شدت اختیار کی اور تاریخ میں یہ مسطور ہے کہ یہود نے اس دن خوشی منائی اور دعوتیں تیار کیں اور یہ ثابت نہیں کہ اہلِ اسلام نے اس کے مقابل کوئی کاروائی کی. وھو الموفق. (فتاوٰی فریدیہ، کتاب السنۃ والبدعۃ، 1/298، مکتبہ دارالعلوم صدیقیہ صوابی)

فتاوٰی حقانیہ میں ہے

صفر المظفر کے آخری بدھ کو خوشی منانے کی شرعی حیثیت:

سوال: جناب مفتی صاحب! بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ کچھ لوگ ماہِ صفر المظفر کے آخری بدھ کو خوشیاں مناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض سے شفاء ہوئی تھی اور اس دن بلائیں اوپر چلی جاتی ہیں، اس لئے اس دن خوشیاں مناتے ہوئے شیرینی تقسیم کرنی چاہئے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ماہِ صفر میں اس عمل کا شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب: ماہِ صفر المظفر کو منحوس سمجھنا خلافِ اسلام عقیدہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سختی سے منع فرمایا ہے، اس ماہِ مبارک میں نہ تو آسمان سے بلائیں اترتی ہیں اور نہ اس کے آخری بدھ کو اوپر جاتی ہیں اور نہ ہی امام الانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دن مرض سے شفاء یابی ہوئی تھی، بلکہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ ۲۸ رصفر کو آنحضرت صلی اللہ بیمار ہوئے تھے، لما قال العلامۃ مفتی عبد الرحیمؒ: ''مسلمانوں کے لئے آخری چہار شنبہ کے طور پر خوشی کا دن منانا جائز نہیں۔ ''شمس التواریخ'' وغیرہ میں ہے کہ ۲۶ رصفر ۱۱ھ دوشنبہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ نے لوگوں کو رومیوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا اور ۲۷ رصفر سہ شنبہ کو اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ امیر لشکر مقرر کئے گئے، ۲۸ رصفر چہار شنبہ کو اگرچہ آپ ﷺ بیمار ہو چکے تھے لیکن اپنے ہاتھ سے نشان تیار کرکے اُسامہ کو دیا تھا، ابھی (لشکر کے) کوچ کی نوبت نہیں آئی تھی کہ آخر چہار شنبہ اور پنج شنبہ میں آپ ﷺ کی علالت خوفناک ہوگئی اور ایک تہلکہ سا مچ گیا، اسی دن عشاء سے آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے پر مقرر فرمایا۔ (شمس التواریخ 2/1008)

اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ ۲۸ رصفر کو چہار شنبہ (بدھ) کے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض میں زیادتی ہوئی تھی اور یہ دن ماہِ صفر کا آخری چہار شنبہ تھا، یہ دن مسلمانوں کے لئے تو خوشی کا ہے ہی نہیں، البتہ! یہود وغیرہ کے لئے شادمانی کا دن ہوسکتا ہے، اس روز کو تہوار کا دن ٹھہرانا، خوشیاں منانا، مدارس وغیرہ میں تعطیل کرنا، یہ تمام باتیں خلافِ شرع اور ناجائز ہیں۔'' (فتاوٰی حقانیہ، کتاب البدعۃ والرسوم 2/84، جامعہ دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، وکذا فی فتاوٰی رحیمیہ، ما یتعلق بالسنۃ والبدعۃ 2/68، 69، دارالاشاعت)

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ اپنی تالیف ''سیرت المصطفیٰ'' میں لکھتے ہیں کہ: ''ماہ صفر کے اخیر عشرہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار شب کو اُٹھے اور اپنے غلام ''ابو مویہبہ'' کو جگایا اور فرمایا کہ مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ اہل بقیع کے لئے استغفار کروں، وہاں سے واپس تشریف لائے تو دفعۃً مزاج ناساز ہوگیا، سردرد اور بخار کی شکایت پیدا ہوگئی۔ یہ ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری کا دن تھا اور بدھ کا روز تھا'' (سیرت مصطفیٰ، علالت کی ابتداء، 3/156، کتب خانہ مظہری، کراچی)

سیرۃ النبی میں علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: ''صفر ۱۱ ہجری میں آدھی رات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع میں جو عام مسلمانوں کا قبرستان تھا، تشریف لے گئے، وہاں سے واپس تشریف لائے تو مزاج ناساز ہوا، یہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی باری کا دن تھا اور روز چہارشنبہ [یعنی: بدھ کا دن] تھا۔'' (سیرۃ النبی: 2/115، اسلامی کتب خانہ)

اسی کے حاشیہ میں ''علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ'' لکھتے ہیں: ''اس لئے تیرہ [۱۳] دن مدت علالت صحیح ہے، علالت کے پانچ دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری ازواج کے حجروں میں بسر فرمائے، اس حساب سے علالت کا آغاز چہارشنبہ (بدھ) سے ہوتا ہے۔'' (حاشیہ سیرۃ النبی: 2/114، اسلامی کتب خانہ)

سیرۃ خاتم الانبیاء میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ: ''۲۸ صفر ۱۱ ہجری چہارشنبہ [بدھ] کی رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان بقیع غرقد میں تشریف لے جا کر اہل قبور کے لئے دعاء مغفرت کی اور فرمایا: ''اے اہل مقابر! تمہیں اپنا حال اور قبروں کا قیام مبارک ہو، کیونکہ اب دنیا میں تاریک فتنے ٹوٹ پڑے ہیں، وہاں سے تشریف لائے تو سر میں درد تھا اور پھر بخار ہوگیا اور بخار صحیح روایات کے مطابق تیرہ روز تک متواتر رہا اور اسی حالت میں وفات ہوگئی۔'' (سیرت خاتم الانبیاء، ص 126، مکتبۃ المیزان، لاہور)

آخری بات: اوپر ذکر کردہ تفصیل کے مطابق ''مَنْ بَشَّرَنِيْ بِخُرُوْجِ صَفَرَ، بَشَّرْتُهُ بِالْجَنَّةِ'' والی روایت ثابت نہیں ہے، بلکہ موضوع اور من گھڑت ہے، اس کو بیان کرنا اور اس کے مطابق اپنا ذہن و عقیدہ رکھنا جائز نہیں ہے۔ نیز! ماہ صفر کے آخری بدھ کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں ہے اور اس دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیماری سے شفاء ملنے والی بات بھی جھوٹی اور دشمنانِ اسلام یہودیوں کی پھیلائی ہوئی ہے، اس دن تو معتبر روایات کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی ابتداء ہوئی تھی نہ کہ شفاء۔

لہٰذا ہم سب کی ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم خود بھی اس طرح کے توہمات ومنکرات سے بچیں اور حتی الوسع دوسروں کو بھی اس طرح کی خرافات سے بچانے کی کوشش کریں۔ وما توفیقی الا باللّٰہ! ☆☆

32 اجزاء سے تیار کردہ
فیضل
معجون قوت دماغ زعفرانی
دماغ، اعصاب، ذہن اور حافظہ کیلئے آزمودہ نسخہ

پاکستان بھر میں
بذریعہ ڈاک
فری
ہوم ڈلیوری
0314-3085577

ذہنی دباؤ، تھکاوٹ، بے خوابی، نسیان اور اعصابی کمزوری کا اکسیر علاج
چہرے کی شادابی، حافظہ کی کمزوری، نظر کی بہتری کیلئے بہترین ٹانک
نظام ہضم کی درستگی، بواسیر اور پیدائش خون کیلئے موثر علاج
شوگر اور بلڈ پریشر کے مریضوں کیلئے انمول تحفہ
معدہ وجگر کی کمزوری اور گرمی کا بہترین علاج
معجون کا مسلسل استعمال بھرپور جوانی کی ضمانت

قیمت -/1200 روپے
وزن 600 گرام
قیمت -/650 روپے
وزن 300 گرام

ہر موسم، ہر عمر کی خواتین وحضرات کیلئے یکساں مفید
معیار اور مقدار کے ضامن

اجزائے معجون

زعفران	دار چینی	شہد	مغز بادام
کشنیز	بلیلہ	جو ہر آہن	برہمی بوٹی
مرچ سیاہ	ورق طلاء	بادیان	مغز اخروٹ
خشخاش	گاؤزبان	گل سرخ	طباشیر
اسطوخودوس	الائچی کلاں	الائچی خورد	زرشک
مغز تربوز	ورق نقرہ	گوند کتیرہ	جو ہر مرجان
آملہ	مغز خیارین	مغز کدو	مویز منقی

دوا بھی غذا بھی
FOODS فیضل شاہ ریاض، ڈی گراؤنڈ پیپلز کالونی فیصل آباد
0314-3085577

اسلام کی نظر میں

عورتوں کا معاشرتی مقام

محترمہ نغمہ پروین (مسلم اسکالر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)

گزشتہ سے پیوستہ

تمدنی حقوق:

شوہر کا انتخاب: شوہر کے انتخاب کے سلسلے میں اسلام نے عورت کو بڑی حد تک آزادی دی ہے۔ نکاح کے سلسلے میں لڑکیوں کی مرضی اور ان کی اجازت ہر حالت میں ضروری قرار دی گئی ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

ترجمہ: ''شوہر دیدہ عورت کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک کہ اس سے مشورہ نہ لیا جائے اور کنواری عورت کا نکاح بھی اس کی اجازت حاصل کئے بغیر نہ کیا جائے۔''

اگر بچپن میں کسی کا نکاح ہو گیا ہو، بالغ ہونے پر لڑکی کی مرضی اس میں شامل نہ ہو تو اسے اختیار ہے کہ اس نکاح کو وہ رد کر سکتی ہے، ایسے میں اس پر کوئی جبر نہیں کر سکتا۔

ہاں اگر عورت ایسے شخص سے شادی کرنا چاہے جو فاسق ہو یا اس کے خاندان کے مقابل نہ ہو تو ایسی صورت میں اولیاء ضرور دخل اندازی کریں گے۔

خلع کا حق:

اسلام نے عورت کو خلع کا حق دیا ہے کہ اگر ناپسندیدہ، ظالم اور ناکارہ شوہر ہے تو بیوی نکاح کو فسخ کر سکتی ہے اور یہ حقوق عدالت کے ذریعے دلائے جاتے ہیں۔

حسن معاشرت کا حق:

قرآن کریم میں حکم دیا گیا: ''وعاشروهن بالمعروف''... عورتوں سے حسن سلوک سے پیش آؤ...۔ (النساء:۱۹) چنانچہ شوہر کو بیوی سے حسن سلوک اور فیاضی سے برتاؤ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''خیرکم خیرکم لاهله''... تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں اچھے ہیں اور اپنے اہل وعیال سے لطف ومہربانی کا سلوک کرنے والے ہیں۔

بیویوں کے حقوق:

اسلام کے آنے کے بعد لوگوں نے عورتوں کو بے قدری کی نگاہوں سے دیکھا، اس بے قدری کی ایک شکل یہ تھی کہ لوگ عبادت میں اتنے محو رہتے تھے کہ بیوی کی کوئی خبر نہیں۔ حضرت عمرو بن العاص اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہما کا واقعہ کا بڑی تفصیل سے حدیث میں مذکور ہے کہ کثرت عبادت کی وجہ سے ان کی بیوی کو ان سے شکایت ہوئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا کر سمجھایا اور فرمایا کہ: تم پر تمہاری بیویوں کا بھی حق ہے، لہٰذا تم عبادت کے ساتھ ساتھ اپنی بیویوں کا بھی خیال رکھو۔

بیویوں کے حقوق کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

''لوگو! عورتوں کے بارے میں میری وصیت قبول کرو وہ تمہاری زیر نگیں ہیں، تم نے ان کو اللہ کے عہد پر اپنی رفاقت میں لیا ہے اور ان کے جسموں کو اللہ ہی کے قانون کے تحت اپنے تصرف میں لیا ہے، تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ گھر میں کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جس کا آنا تمہیں ناگوار ہو، اگر ایسا کریں تو تم ان کو ہلکی مار مار سکتے ہو اور تم پر ان کو کھانا کھلانا اور پلانا فرض ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ اور فرمایا:

''خیرکم خیرکم لاهله وانا خیرکم لاهلی۔''

ترجمہ: ''تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنی بیویوں کے لئے بہترین ثابت ہو اور خود میں اپنے اہل وعیال کے لئے تم سب سے بہتر ہوں۔''

ترجمہ: ''کامل ترین مومن وہ ہے جو اخلاق میں اچھا ہو اور اپنے اہل وعیال کے لئے نرم خو ہو''۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مردوں کو بیویوں کے حق میں سراپا محبت وشفقت ہونا چاہئے اور جائز امور میں ان کی حوصلہ افزائی اور دلجوئی کرنی چاہئے۔ کچھ لمحوں کے لئے دوسروں کے سامنے اچھا بن جانا کوئی مشکل کام نہیں، حقیقتاً نیک اور اچھا وہ ہے جو اپنی بیوی سے رفاقت کے دوران صبر وتحمل سے کام لینے والا ہو اور محبت وشفقت رکھنے والا ہو۔

عورت کا معاشرتی مقام اسلام کی نظر میں:

اسلام میں معاشرتی حیثیت سے عورتوں کو اتنا بلند مقام حاصل ہے کہ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ معاشرت کے باب میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر مرد کو مخاطب کر کے یہ حکم دیتا ہے کہ ان کے ساتھ معاشرت کے باب میں ''معروف'' کا خیال کیا جائے، تاکہ وہ معاشرت کے ہر پہلو اور ہر چیز میں، حسن معاشرت برتیں۔ ارشاد ربانی ہے کہ:

''وعاشروهن بالمعروف فان

کرھتموھن فعسی ان تکرھوا شیئاً ویجعل اللّٰہ فیہ خیراً کثیراً۔" (النساء:۱۹)

ترجمہ: "اور ان عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت کے ساتھ زندگی گزارو اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم کوئی چیز ناپسند کرو اور اللہ اس میں خیر کثیر رکھ دے۔"

معاشرت کے معنی ہیں مل جل کر زندگی گزارنا، اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک تو مردوں کو عورتوں سے مل جل کر زندگی گزارنے کا حکم دیا ہے۔ دوسرے یہ کہ "معروف" کے ساتھ اسے مقید کر دیا ہے، لہٰذا امام ابوبکر جصاص رازیؒ (المتوفی ۳۷۰ھ) معروف کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "اس میں عورتوں کا نفقہ، مہر، عدل کا شمار کر سکتے ہیں اور معروف زندگی گزارنے سے مطلب یہ ہے کہ گفتگو میں نہایت شائستگی اور شیفتگی سے کام لیا جائے باتوں میں حلاوت ومحبت ہو حاکمانہ انداز نہ ہو اور ایک بات کو توجہ کے ساتھ سنیں اور بے رخی بے اعتنائی نہ برتیں اور نہ ہی کوئی بدمزاجی کی جھلک ظاہر ہو۔"

قرآن کریم میں صرف معاشرت کے لئے ہی نہیں کہا گیا کہ عورتوں کے ساتھ معروف طریقے سے پیش آنا مردوں پر خدا نے فرض کیا ہے، بلکہ اسی کے ساتھ ہر طرح کے مسائل کے بارے میں کہا گیا ہے، جیسے مطلقہ عورت کے بارے میں صاف طور پر یہ اعلان کیا گیا ہے کہ:

"ولا تمسکوھن ضراراً لتعتدوا۔" (البقرہ:۲۳۱)

ترجمہ: "ایذا دہی کے خیال سے ان کو نہ روک رکھو، تا کہ تم زیادتی کرو۔"

آزادیٔ رائے کا حق:

اسلام میں عورتوں کی آزادی کا حق اتنا ہی ہے جتنا کہ مرد کو حاصل ہے خواہ وہ دینی معاملہ ہو یا دنیاوی۔ اس کو پورا حق ہے کہ وہ دینی حدود میں رہ کر ایک مرد کی طرح اپنی رائے آزادانہ استعمال کرے۔

ایک موقع پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ:

"تم لوگوں کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ عورتوں کی مہر زیادہ نہ باندھو، اگر مہر زیادہ باندھنا دنیا کے اعتبار سے بڑائی ہوتی اور عنداللہ تقویٰ کی بات ہوتی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے زیادہ مستحق ہوتے۔" (ترمذی)

حضرت عمرؓ کو اس تقریر پر ایک عورت نے بھری مجلس میں ٹوکا اور کہا کہ آپ یہ کیسے کہہ رہے ہیں؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وآتیتم احدٰھن قنطاراً فلا تاخذوا منہ شیئاً" (النساء:۲۰)

ترجمہ: "اور دیا ہے ان میں سے کسی ایک کو ڈھیر سامان تو اس میں سے کچھ نہ لو۔"

جب خدا نے جائز رکھا ہے کہ شوہر مہر میں ایک قنطار بھی دے سکتا ہے تو تم اس کو منع کرنے والے کون ہوتے ہو؟ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا:

"کلکم اعلم من عمر"... تم سب عمر سے زیادہ علم والے ہو... اس عورت کی آزادی رائے کو مجروح قرار نہیں دیا کہ حضرت عمرؓ کو کیوں ٹوکا گیا اور ان پر کیوں اعتراض کیا گیا، کیونکہ حضرت عمرؓ کی گفتگو اولیت اور افضلیت میں تھی، نفس جواز میں نہ تھی۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کو اپنی آزادی رائے کا پورا حق ہے، حتیٰ کہ اسلام نے لونڈیوں کو بھی اپنی آزادانہ رائے رکھنے کا حق دیا اور یہ اتنی عام ہو چکی تھی کہ عرب کی لونڈیاں اس پر بے جھجک بنا تردد کے عمل کرتی تھیں حتیٰ کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اس رائے سے جو بحیثیت نبوت و رسالت کے نہیں ہوتی تھی، اس پر بھی بے خوف وخطر کے اپنی رائے پیش کرتی تھیں اور انہیں کسی چیز کا خطرہ محسوس نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی نافرمانی کا۔

اس آزادی رائے کا سرچشمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت نے ازواج مطہرات میں آزادی ضمیر کی روح پھونک دی تھی، جس کا اثر تمام عورتوں پر پڑتا تھا۔

☆☆..............☆☆

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت لاہور کے نائب امیر پیر رضوان نفیس کی والدہ محترمہ کا انتقال

شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا و دیگر رہنماؤں کا اظہار تعزیت

لاہور (مولانا عبدالنعیم) عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی رہنما شاہین ختم نبوت حضرت مولانا اللہ وسایا، مولانا عزیز الرحمٰن ثانی، مولانا قاری جمیل الرحمٰن اختر، قاری علیم الدین شاکر، مولانا سید ضیاء الحسن، مولانا عمر حیات، راقم الحروف و دیگر نے نائب امیر وخلیفہ مجاز حضرت سید نفیس الحسینی شاہؒ پیر میاں رضوان نفیس کی والدہ محترمہ کے انتقال پر ملال پر تعزیت کرتے ہوئے گہرے صدمے کا اظہار کیا ہے۔ مرحومہ کے لئے دعائے مغفرت اور پسماندگان کے لئے صبر جمیل کی دعا کی ہے۔ مولانا اللہ وسایا نے کہا کہ یہ دنیا عارضی مقام ہے، ہماری اصل منزل آخرت ہے۔ انسان دنیا میں جو نیک اعمال کرتا ہے وہی قبر وحشر میں کام آئیں گے۔ محترمہ ایک نیک اور صالح خاتون تھیں اور ان کی اولاد عظمت اہل بیت کے کام کے فریضے کو بڑے احسن انداز سے سرانجام دے رہی ہے اور یہی ان کے لئے صدقہ جاریہ ہے۔

ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کے قریبی عزیز، سابق قادیانی مربی

جناب محمد نذیر کے قبولِ اسلام کی سرگزشت

قسط: ۴

منصور اصغر راجہ

اسلام قبول کرنے والے سابق قادیانی مربی محمد نذیر نے بتایا کہ:

''جب قادیانی جماعت کے کچھ سرگردہ لوگوں کے اخلاقیات سے گری ہوئی حرکتوں کے متعلق میرے خط کے جواب میں امیر جماعت احمدیہ پاکستان مرزا خورشید نے مجھے پاگل قرار دیا تو یہ بات میرے لئے کسی شاک سے کم نہ تھی۔ میں کئی روز تک اس صدمے سے باہر نہ نکل سکا۔ کیونکہ اپنی بہترین کارکردگی کی وجہ سے میں جماعت کے اعلیٰ ترین حلقوں میں بے حد پسند کیا جاتا تھا۔ مجھ پر جماعتی قیادت کے اعتماد کا یہ عالم تھا کہ سابق وزیر اعلیٰ پنجاب میاں منظور وٹو کے والد نے فضل عمر ہسپتال چناب نگر میں جب زندگی کی آخری سانس لی تو اس وقت ان کا سر میری گود میں تھا۔ کیونکہ وہ جتنے دن ہسپتال میں زیر علاج رہے، ان کی دیکھ بھال اور خدمت کے لئے جماعت نے مجھے ان کے ساتھ متعین کئے رکھا۔ سابق گورنر پنجاب سلمان تاثیر جو ابھی گورنر نہیں بنے تھے، اس وقت بھی جماعت کے اعلیٰ سطحی وفود مختلف درپیش مسائل پر تبادلۂ خیال کے لئے اکثر ان سے ملاقاتیں کیا کرتے اور سلمان تاثیر ان مسائل کے حل کے لئے جماعت کی ہر طرح سے معاونت کیا کرتے تھے۔ اس طرح کے کئی وفود میں میں بھی شامل رہا اور مجھے متعدد بار سلمان تاثیر سے ملاقات اور ان کے ساتھ کھانا کھانے کا موقع ملا۔ لیکن آج جب میں نے کچھ لوگوں کی اخلاقی گراوٹ کی طرف انگلی اٹھائی تو جماعت کی قیادت کی نظر میں پاگل ٹھہرا، اس صورت حال کی وجہ سے اپنے کام سے میرا دل اچاٹ ہو گیا اور میں خود کو جماعت چھوڑنے کے لئے ذہنی طور پر تیار کرنے لگا۔ اس بات کا تو مجھے بھی یقین تھا کہ اگر جماعت کا امیر ہی میری بات پر توجہ نہیں دے رہا تو ایک عام قادیانی میری بات پر کیسے یقین کرے گا؟ اس لئے میں نے مربی کی ذمہ داری سے جان چھڑانے کے لئے بھی سوچ بچار شروع کر دی۔ اس سلسلے میں پہلا قدم یہ اٹھایا کہ جماعت سے تین سال کی رخصت مانگی جو Without Pay کی شرط کے ساتھ منظور کر لی گئی۔ چھٹی منظور ہوتے ہی میں نجی دورے پر ملائیشیا چلا گیا اور پھر ۲۰۰۳ء سے ۲۰۰۵ء تک میں ملائیشیا، سنگاپور، تھائی لینڈ اور سری لنکا میں رہا۔ اس دوران زندگی کی گاڑی چلانے کے لئے مختلف مزدوریاں بھی کیں۔ اصولاً بیرون ملک سے واپسی کے بعد مجھے دوبارہ مربی کی ڈیوٹی جوائن کرنی چاہئے تھی، لیکن میں چونکہ یہ کام چھوڑنے کا فیصلہ کر چکا تھا اس لئے اپنی ڈیوٹی پر واپس جانے کی بجائے نوکری کی تلاش شروع کر دی۔ چند روز بعد ہی مجھے ہومیو پیتھک ادویات کی ڈسٹری بیوشن کمپنی ''کیوریٹو ہومیو پیتھک'' میں جاب مل گئی، جس کے مالک موجودہ ناظر امور عامہ سلیم الدین کے برادر نسبتی راجہ رشید احمد رشیدی ہیں۔ یہ صاحب اپنے آپ کو رشدی کہلوا کر بہت خوش ہوتے ہیں، میں نے یہاں کام شروع کر دیا اور دوسری طرف جماعت نے ڈیوٹی پر واپس پہنچنے کا تقاضا شروع کر دیا۔ اس سلسلے میں مجھے جماعت کی طرف سے متعدد بار تنبیہ بھی کی گئی اور بطور مربی کام کرنے کا حکم دیا گیا، لیکن جب میری طرف سے کوئی مثبت جواب نہ ملا تو جماعت نے مجھے مربی کی ذمہ داری سے فارغ کرتے ہوئے تمام میڈیکل کارڈ، پاسپورٹ اور دیگر ضروری کاغذات مجھ سے واپس لے لئے، اس کے ساتھ ہی ''کیوریٹو ہومیو پیتھک'' کی نوکری سے بھی مجھے جواب مل گیا۔ اب حالت یہ ہو گئی کہ نئی نکور لینڈ کروزر پر گھومنے والا نذیر اپنا گھر چلانے کے لئے رکشہ چلانے پر مجبور ہو گیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میں یہ سوچ کر خوش ہوتا رہا کہ میں تو جماعت اور مربی کی ذمہ داری سے الگ ہونے کے بہانے ڈھونڈ رہا تھا، چلو اچھا ہوا کہ جماعت نے خود ہی میری جان چھوڑ دی۔ لیکن یہ میری خوش فہمی تھی، کیونکہ جماعت احمدیہ تو قیادت سے اختلاف رائے کی جرأت کرنے والے کسی عام قادیانی کو

معاف نہیں کرتی، یہاں تو لاکھوں روپے صرف کر کے تیار کیا جانے والا ایک مربی جماعت سے بغاوت کی جرأت کر رہا تھا، جماعت اسے ٹھنڈے پیٹوں کیسے برداشت کرلیتی....''

چونکہ میں کاروباری ذہن کا مالک ہوں، اس لئے چند روز اِدھر اُدھر چھوٹی موٹی مزدوری کرنے کے بعد میں نے کوئی کاروبار کرنے کا سوچا، اب میں ایسا کاروبار تو کر نہیں سکتا تھا کہ جس کے لئے بھاری سرمایہ انویسٹ کرنا پڑے کہ سرمایہ کہاں سے لاتا؟ البتہ بات کرنے کا سلیقہ بھی تھا اور خوش اخلاقی کا دس سالہ تجربہ بھی تھا۔ میں نے ان دونوں صلاحیتوں سے کام لینے کا فیصلہ کیا اور چنیوٹ میں بطور مڈل مین گنے کی ٹھیکیداری شروع کردی، اللہ نے برکت دی اور میرا کام چل نکلا، اسی دوران میرے اندر ایک اور تبدیلی بھی آئی، اگرچہ میں اسکن الرجی سے شفایابی والا خواب دیکھنے کے بعد دل سے اسلام کی حقانیت پر ایمان لاچکا تھا لیکن ابھی علی الاعلان قادیانیت سے تائب نہیں ہوا تھا، البتہ جماعت سے میں نے عملاً علیحدگی اختیار کرلی تھی، چناب نگر میں رہتے ہوئے بھی نہ تو میں جماعت کی مذہبی تقریبات میں شرکت کرتا اور نہ ہی جماعت کو چندہ دیتا۔ علاقے کے مسلمانوں کے ساتھ میرا اٹھنا بیٹھنا زیادہ ہوگیا بلکہ میں اکثر ان کی مسجد میں بھی چلا جاتا، جماعت میری سرگرمیوں کو واچ کر رہی تھی، اس کا پتہ مجھے ایسے چلا کہ جب ایک روز مجھے صدر دفتر عمومی طلب کر کے کہا گیا کہ: ''آپ کی حرکات ٹھیک نہیں ہیں، آپ اس پر توجہ دیں ورنہ آپ کو اس کے سنگین نتائج بھگتنا پڑ سکتے ہیں'' میں نے اس دھمکی کا جواب اس طرح دیا کہ چناب نگر والا گھر چھوڑ کر قریبی پہاڑی کے دامن میں سرکاری اراضی پر ایک کچا کمرہ بنایا اور بیوی کے ہمراہ وہاں رہنے لگا اور پوری توجہ اپنے کاروبار پر مرکوز کردی۔

وہ ۷ رجنوری ۲۰۰۷ء کی صبح تھی، گھڑی غالباً سات بج کر چالیس منٹ بجا رہی تھی، میں اپنی چھ سالہ بیٹی عروسہ نذیر کو راجیکی روڈ پر واقع اس کے اسکول ''نوٹنگل اسٹار اکیڈمی'' چھوڑنے کے لئے گھر سے نکلا، ہم باپ بیٹی موٹر سائیکل پر جا رہے تھے، جب راجیکی روڈ پر چڑھے تو پیچھے سے آنے والی ایک ۸۶ ماڈل کرولا کار میں سے کسی نے آواز دی: ''ٹھیکیدار صاحب ذرا رکنا'' میں سمجھا کہ شاید کوئی مقامی زمیندار ہے جو گنے کی فصل کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہے، اس لئے موٹر سائیکل روک لی، میرے رکتے ہی کار میں سے تین نامعلوم مسلح افراد نکلے، انہوں نے مجھ سے میری بیٹی اور موٹر سائیکل چھینی، میری جیب میں موجود تین ہزار روپے نکالے اور چلتے بنے، میں نے تھانہ چناب نگر اطلاع دی تو پولیس نے بچی کی بازیابی کے لئے کوششیں شروع کردیں، چند روز گزر گئے لیکن بچی نہ مل سکی، اسی دوران نامعلوم نمبرز سے مجھے کالیں آنے لگیں، لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ کال اُس وقت آتی جب میں تھانے آتا، تھانے سے باہر نکلتے ہی میرا موبائل فون بجنے لگتا اور کسی نامعلوم نمبر سے کال کرنے والا شخص مجھے کہتا: تھانے سے ہو آئے ہو، اچھی بات ہے لیکن کیا اس طرح تمہیں تمہاری بیٹی مل جائے گی؟ تم نے بہت کاروبار کرلیا ہے، اب اگر اپنی بیٹی کو زندہ دیکھنا چاہتے ہو تو اس میں سے ہمارا بھی کچھ حصہ نکالو۔ وہ لوگ چند روز تک اسی طرح میرے ساتھ آنکھ مچولی کھیلتے رہے اور پھر ایک روز انہوں نے مجھ سے بیٹی کے بدلے ۵۰ لاکھ روپے تاوان مانگ لیا، میرے منت سماجت کرنے پر ۲۰ لاکھ روپے میں معاملہ طے ہوا، لیکن میرے لئے یہ بھی بہت بڑی رقم تھی، میں اتنے پیسے کہاں سے لاتا؟ چونکہ گنے کا سیزن چل رہا تھا، کئی زمینداروں کے بل میرے پاس پڑے تھے، میں نے انہیں منت سماجت کر کے اس بات پر راضی کیا کہ اگر وہ مجھے اپنی رقم استعمال کرنے کی اجازت دیں تو انہیں میں چند روز ٹھہر کر ادائیگی کروں گا، کچھ قریبی دوستوں سے ادھار پیسے پکڑے اور اس طرح کر کرا کے ۲۰ لاکھ روپے جمع کئے، اغوا کاروں نے تاوان کی ادائیگی کے لئے مجھے رات ایک بجے فیصل آباد کے علاقہ ستیانہ بنگلہ میں جھامرہ روڈ پر واقع چک نمبر ۲۳۸ گ ب شیر کا، کے قریب سے گزرنے والی نہر کے پُل پر بلایا۔ تاوان وصول کرنے کے بعد انہوں نے مجھ سے کہا کہ اگلے روز دوپہر کے وقت چناب نگر ریلوے اسٹیشن پر آنے والی ایک ٹرین کے ڈبے سے مجھے میری بیٹی مل جائے گی۔ بچی بازیاب ہوتے ہی چناب نگر کی پولیس حرکت میں آئی اور مجھے میرے گھر سے اٹھا کر تھانہ چناب نگر کی حوالات میں بند کردیا، مجھ پر میری ہی بیٹی کو اغوا کرانے کا الزام تھا، اُس روز پہلی بار مجھے محسوس ہوا کہ جماعت نے مجھے سبق سکھانے کا فیصلہ کرلیا ہے اور اب آزمائش کا دور شروع ہونے والا ہے۔''

(جاری ہے)

تحریکِ ختمِ نبوت..... آغاز سے کامیابی تک

قسط: ۷

سعود ساحر

قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی میں علمائے کرام، قانونی ماہرین کے واضح اور دوٹوک سوالات اور مکروفریب سے پُر، نامکمل، آئیں بائیں شائیں سے پُر، مرزا ناصر احمد کے جوابات کو اپنی زبان میں بیان تو کیا جاسکتا ہے، مگر اس ماحول میں مسلمان ارکان کے جذبوں اور مرزا ناصر کے اقرار بہ انداز انکار، مبہم طرز کلام، بوکھلاہٹ، متانت کے پیکروں کے قہقہے کا احوال من وعن سپرد قلم کرنا ممکن نہیں۔ بعض قارئین اور ختم نبوت کے تحفظ کے لیے زندگیاں وقف کرنے والے بزرگوں کا اصرار ہے کہ 53ء کی تحریک ختم نبوت کا احوال تفصیل سے بیان کیا جائے۔ اپنی نوعمری کے زمانے کے گزرے ہوئے معرکہ کی جو یادیں ذہن میں محفوظ تھیں، وہ حوالہ قلم کر دیں اور اس کوشش میں ہوں کہ کوئی دستاویز ہاتھ لگے یا اللہ کا کوئی نیک بندہ حیات ہو، اس کی یادداشت کے ذخیرے سے کچھ یادوں کا حصول ممکن ہو، تو سپرد قلم کیا جائے۔ تاہم میرے جاننے والوں میں سے اس زمانے کی کوئی بزرگ ہستی اب حیات نہیں ہے۔ ایک دھندلی سی یاد ہے کہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے صاحب زادے جن کا نام ذہن میں نہیں ہے، راولپنڈی تشریف لائے تو راولپنڈی کے محلہ موہن پورہ میں قیام کرتے۔ محفل جمتی، احباب کا بڑا اجتماع ہوتا اور ابن امیر شریعت کی گفتگو سے لوگ فیض یاب ہوتے۔ میں بھی اپنے برادر بزرگ حکیم سرور سہارنپوری کے ہمراہ حاضر ہوتا، مگر اس واقعہ کو اتنی مدت گزر گئی اور اسلام آباد منتقل ہونے کے بعد راولپنڈی سے وہ تعلق بھی برقرار نہ رہا۔ رابطے ختم ہو گئے۔ حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ اور لحن داؤدی میں قرأت کرنے والے حضرت قاری سعید الرحمانؒ، حافظ خلیل احمدؒ جو ہر برس حضرت مولانا احتشام الحق کے میزبان بنتے، مولانا عبدالحکیمؒ کے مدرسہ فرقانیہ مدنیہ میں ختم نبوت کے جلسے ہوتے۔ جانباز مرزا اپنے مخصوص ترنم سے نعت پڑھتے۔ سال کے سال ایک بڑے اجتماع کا اہتمام انجمن فیض اسلام کے بانی میاں حیات بخش کرتے۔ لیاقت باغ کا وسیع و عریض میدان مسلمانوں سے بھر جاتا تو لیاقت روڈ اور کالج روڈ تک ہجوم ہوتا۔ لوگ دل کھول کر انجمن کے لئے عطیات بھی دیتے اور ملک بھر سے آئے ہوئے جید علمائے کرام کے خطاب سے فیض یاب ہوتے۔ حضرت امیر شریعت کا خطاب بھی اسی اجتماع میں سنا، جسم پر فالج کے اثرات تھے، مگر سرکار دو عالم کی مدحت بیان کرنے والی زبان میں جوانی کے تمام تر تیور موجود تھے۔ اب ان جنتی ہستیوں میں کوئی بھی بقید حیات نہیں، مگر تاریخ پر ثبت عقیدت، محبت، ایثار اور قربانی کی یہ داستان قیامت تک زندہ رہے گی۔ اپنی بساط بھر کوشش سے اس کی تفصیل حاصل کروں گا۔

آیئے اسٹیٹ بینک کی جانب چلتے ہیں، جہاں قوم کے منتخب نمائندوں کے حضور کاذب مرزا غلام احمد کا تیسرا اپیش کار موجود ہے۔

اٹارنی جنرل: مرزا کذاب کا شعر ہے، جس میں اس نے کہا ہے کہ کربلا میری سیرگاہ اور سو حسینؓ میرے گریبان میں ہیں۔

مرزا ناصر احمد: یہ ایک شیعہ عالم کے جواب میں ہے۔

اٹارنی جنرل: شیعہ عالم کے جواب میں حضرت حسینؓ کی توہین اور عیسائیوں کے جواب میں حضرت عیسیٰؑ کی توہین؟

مرزا ناصر: مگر حضرت حسینؓ کی بانی سلسلہ نے بہت تعریف کی ہے۔

اٹارنی جنرل: ہمارا موقف واضح ہے کہ یہ ڈبل گیم کھیلنے والا عیار ہے۔

ناصر احمد: آپ کی مرضی۔

اٹارنی جنرل: میں اس کی عبارت پڑھ رہا ہوں۔

مرزا ناصر: جی مگر جو حضرت حسینؓ کی تعریف کی ہے، وہ میں پڑھ کر سناتا ہوں۔

چیئرمین: شعر کی وضاحت میں کوئی حوالہ ہے تو دیں، ورنہ آگے چلیں۔

عبدالعزیز بھٹی: جناب گواہ وضاحت کرسکتا ہے، مگر لکھا ہوا جواب نہیں پڑھ سکتا۔

ناصر احمد: میں حضرت حسینؓ سے متعلق ایک اقتباس پڑھتا ہوں۔

چیئرمین: شعر کی وضاحت یا تعریف؟

مرزا ناصر: تعریف ومقام کا۔

چیئرمین: رہنے دیں۔

اٹارنی جنرل: کبھی مبلغ، کبھی مجدد، کبھی مسیح یہ اپنا موقف بدلتا کیوں رہتا ہے۔ کہتا ہے کہ میرے اور تمہارے حسینؓ میں فرق ہے۔

مرزا ناصر: میں چیک کروں گا۔

اٹارنی جنرل: سوال وہی ہے، مجھ میں اور تمہارے حسینؓ میں فرق ہے۔

مرزا ناصر: میں چیک کروں گا۔

اٹارنی جنرل: کیا مرزا نے کہا ہے کہ حضور علیہ السلام کے لئے چاند کا گرہن ہوا اور میرے لئے چاند اور سورج دونوں کا۔ اب کیا تو انکار کرے گا؟

مرزا ناصر: میں چیک کروں گا۔

عبدالعزیز بھٹی: جناب یہ چیک کروں گا کہہ کر فارغ ہو جاتے ہیں۔ ہمارے پاس تمام کتابیں اصل موجود ہیں۔ ہم ان کے حوالے کرتے جاتے ہیں۔ ان کے معاون چیک کریں۔ یہ چیک کہہ کر معاملہ گول کرتے ہیں، ہاں یا نا میں جواب دیں۔

اٹارنی جنرل: وہ کہتے ہیں، اصل کو پڑھوں گا۔

عبدالعزیز بھٹی: تو یہ کتاب لیں۔

اٹارنی جنرل: مگر وہ گھر جا کر پڑھیں گے۔

ایوان میں قہقہہ۔

اٹارنی جنرل: وہ تمہارے حسینؓ والی بات؟

مرزا ناصر: اجازت دیں شام کو تحریری جواب داخل کرا دوں گا۔

اٹارنی جنرل: مجھ میں ہمت نہیں کہ حضرت امام حسینؓ کی توہین کو بار بار دہراؤں۔ مرزا کی تحریر پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ اس کا مؤقف کیا ہے؟

مرزا ناصر: مرزا صاحب حضور علیہ السلام کے ظل کامل ہیں اور تمام امت سے افضل ہیں۔ یہ عقیدے کی بات ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں۔

اٹارنی جنرل: دیکھو نبی آپ کے سامنے موجود ہے، وہ سب سے افضل ہے اور ہدایت ہے کہ مجھ میں اور تمہارے حسینؓ میں فرق ہے؟

مولانا غلام غوث ہزاروی: اٹارنی جنرل صاحب! مرزا ناصر نے کہہ تو دیا کہ تمام امت سے مرزا قادیانی افضل ہے۔

مرزا ناصر: مرزا صاحب نے حضرت حسینؓ کی تعریف کی ہے۔

اٹارنی جنرل: تعریف کر کے خود کو افضل قرار دیا ہے۔ آپ کا دعویٰ ہے مرزا ظل کامل ہے، اس لئے تمام اولیاء اور حضرت امام حسینؓ سے افضل ہے۔

مرزا ناصر: یہ دعویٰ نہیں، بلکہ میرا عقیدہ ہے، اس لئے کہ یہ مہدی اور مسیح ہیں۔

اٹارنی جنرل: یہ درست ہے کہ مرزا غلام احمد مسیح بوجہ موعود ہونے کے تمام انبیاء اور اولیاء سے افضل و برتر ہے؟

مرزا ناصر: آپ نتیجہ پکڑ لیتے ہیں۔ ایوان میں قہقہہ۔

اٹارنی جنرل: مرزا غلام احمد کہتے ہیں خدا نے کہا کہ ایک خوب صورت عورت ہے، یہ کیا مسئلہ ہے؟

مرزا ناصر: میں اس وقت تردید کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔

مولانا شاہ احمد نورانی: آپ نے طے کیا تھا کہ ان سے ہاں یا ناں میں جواب لیں گے۔

مولانا مفتی محمود: وہ تحریری بیانات و اقتباسات پر وقت ضائع کر رہے ہیں، آپ انہیں پابند کریں کہ مرزا غلام احمد کی پوزیشن واضح کریں۔

مولانا شاہ احمد نورانی: قرآن و حدیث کسوٹی ہے۔ تذکرۃ الاولیا، جواہر القلائد ہمارے لئے اتھارٹی نہیں۔

سردار مولا بخش سومرو: گواہ کی نیت درست ہو تو لمبی چوڑی وضاحت کی کیا ضرورت ہے۔ دراصل یہ مسلمانوں سے علیحدہ مذہب ہے۔ ان کی خواہش ہے کہ دھوکہ سے مسلمانوں میں شامل رہیں، اس دھوکے کے ذریعے دو عملی کا روپ دھارنا پڑتا ہے۔

چیئرمین: بعض سوالوں کے جواب فوری نوعیت کے ہوتے ہیں، مگر وہ تاخیری حربے اختیار کر رہے ہیں۔

سردار مولا بخش سومرو: وہ آ کر خطبے کے انداز میں شروع ہو جاتے ہیں۔ وہ گواہ ہیں، نہ کہ ہمارے خطیب۔

چیئرمین: اس کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

عبدالعزیز بھٹی: ان کے غیر متعلق سوالات پر آپ پاور استعمال کریں اور یہ سلسلہ بند کرائیں۔

مولانا ظفر احمد انصاری: الفضل کے حوالہ جات آپ پیش کریں، انکار کرے تو اصل دکھائیں۔

مولانا غلام غوث ہزاروی: آپ سوال کریں کہ مرزا غلام احمد یا مرزا محمود نے کہا یا نہیں۔ ان کی تقریر سننے کے لئے ہم یہاں نہیں بیٹھے۔

مولانا غلام غوث ہزاروی: یہ اصل البدر میرے پاس تھا، جب تک رسالہ ہاتھ نہ آیا، سوال نہیں کیا۔ یہ شعر سن کر مرزا کذاب نے کہا، جزاک اللہ آپ سوال کریں تو کانا لگایا جا سکتا ہے، استغفراللہ ثم استغفراللہ۔

محمد دیکھنے ہوں جس نے اکمل
غلام احمد کو دیکھے قادیاں میں

صاحبزادہ احمد رضا قصوری: گواہ بار بار اپنا بیان دہراتا ہے۔ تکرار کرتا ہے۔ مہربانی کر کے ہاں یا ناں میں جواب دلائیں۔

حفیظ پیرزادہ: تکرار کا نقصان یہ ہے کہ وقت ضائع ہوتا ہے، مگر ایک فائدہ بھی ہے، جتنا تکرار کرے گا تضاد سامنے آئے گا۔

اٹارنی جنرل: مرزا نے مولوی سعد اللہ کا نام لے کر جو مغلظات بکی ہیں۔ انجام آتھم صفحہ 282-281؟

مرزا: کتاب دیکھ کر جواب دوں گا۔

اٹارنی جنرل: کتابیں تو آپ کے ہاتھ میں ہیں۔

اٹارنی جنرل: آپ مختصر بتا دیں۔ مرزا نے علماء کو گالیاں دی ہیں، کچھ بول دیں۔

مرزا ناصر: اکٹھا بول دوں گا۔

اٹارنی جنرل: کچھ تو فرما دیں۔

مرزا ناصر: میں نتیجہ نہیں نکال سکتا۔

اٹارنی جنرل: کتاب تو آپ کے سامنے ہے۔

مرزا ناصر: انجام آتھم کے 200 صفحات ہیں، پڑھنے میں دو دن لگ جائیں گے۔

اٹارنی جنرل: کوئی پیراگراف؟

مرزا ناصر: جب تک تسلی نہ ہو، جواب نہیں دوں گا۔

اٹارنی جنرل: کیا آپ کو پہلے علم نہیں تھا، یہ کتاب بھی نہیں پڑھی؟

مرزا ناصر: علم تو تھا، مگر اس نقطۂ نظر سے نہیں تھا۔

اٹارنی جنرل: میں نے کوئی نقطۂ نظر پیش نہیں کیا۔

مرزا ناصر: یہ سب کچھ اعتراض کے رنگ میں پیش کیا جاتا ہے۔

اٹارنی جنرل: مغلظات پر بھی اعتراض یا جواب ہو سکتا ہے؟

مرزا ناصر: آپ اعتراض کے رنگ میں لے رہے ہیں۔

اٹارنی جنرل: اور آپ پیار سے باتیں کرتے ہیں؟

مرزا ناصر: پتہ نہیں، یہ مغلظات بھی ہیں یا نہیں، ہر لفظ کے عربی میں پانچ دس ترجمے ہوتے ہیں۔

اٹارنی جنرل: بدکار، زانیہ، شیطان کے بھی کئی ترجمے منحوس کے بھی دو معنی، ایک اچھائی میں، ایک برائی میں؟

مرزا ناصر: میں نے کب کہا۔

اٹارنی جنرل: مرزا نے کہا کہ جو میرا مخالف ہے، وہ مشرک ہے، جہنمی ہے۔ یہ آپ کے علم میں ہے؟

مرزا ناصر: میں دیکھ کر بتاؤں گا۔

اٹارنی جنرل: یہ کتاب ہے دیکھ لیں۔

مرزا ناصر: کتاب مل گئی ٹھیک ہے مگر مخالف کا نام نہیں۔

مولانا غلام غوث ہزاروی، چیئرمین اور ممبران سمیت کبھی؟

ناصر احمد: دیکھئے، آپ مجھے بد دل نہ کریں۔

اٹارنی جنرل: مرزا نے مسلمانوں کو مغلظات دیں کہ سب نے میری تصدیق کی، مگر کنجریوں اور بدکاروں کی اولاد نے مجھے نہیں مانا۔

مرزا ناصر احمد: یہ جتنے اعتراض ہیں، فرسودہ ہیں سالہا سال پرانے۔

اٹارنی جنرل: اس کا جواب بھی پرانا ہوگا ''جو مجھے نہیں مانتے، کنجریوں کی اولاد ہیں۔''

ناصر احمد: اس میں ذریت البغایا کا لفظ ہے، اس کے معنی کنجریوں کی اولاد نہیں۔

اٹارنی جنرل: جو ہماری فتح کا قائل نہیں، سمجھا جائے گا کہ وہ ولد الحرام ہے؟

چیئرمین: کتاب گواہ کو دے دیں۔

اٹارنی جنرل: بتائیں، ہماری فتح سے کیا مراد ہے؟

مرزا ناصر: غلبہ اسلام۔

اٹارنی جنرل: جن باتوں کی وضاحت کرنی تھی، اس طرف تو آپ آتے نہیں، اتمام حجت کی بحث چھیڑ دی۔ صبح آپ نے کہا جو مرزا کو نہیں مانتے، کافر ہیں۔ گھر جا کر ساتھیوں نے سمجھایا کہ آپ نے کیا کہہ دیا، سارا معاملہ غلط ہو گیا، اتمام حجت کی جو تعریف آپ نے کی، دنیا کی کس لغت میں ہے؟ میرے پاس لغت ہے، اتمام حجت کے یہ معنی کہ وہ قائل ہو جائے، کہیں نہیں لکھا؟

مرزا ناصر: کون سی لغت ہے؟

اٹارنی جنرل: فیروز اللغات۔

مرزا ناصر: یہ تو کوئی معیاری لغت نہیں۔

اٹارنی جنرل: آپ کوئی معیاری لغت لے آئیں۔

مولانا غلام غوث ہزاروی: اٹارنی جنرل صاحب ساون کے اندھے کو ہرا ہرا ہی نظر آتا ہے، مسخروں کو ساری دنیا مسخری نظر آتی ہے۔

اٹارنی جنرل: اتمام حجت پھر سمجھانے والے کا ہوا یا سمجھنے والے کا؟

مرزا ناصر: سمجھنے والے کا۔ دائرۂ اسلام سے خارج کے معنی زبانی عرض کرتا ہوں۔ اسلام کے کئی دائرے ہیں۔ کچھ بڑے، کچھ چھوٹے۔ انسان کسی کام سے چھوٹے دائرے سے تو خارج ہو جاتا ہے، مگر بڑے دائرے میں رہتا ہے۔ خارج نہیں ہوتا۔

اٹارنی جنرل: اسلام کا ایک بڑا سرکل ہے، اس میں گناہ گار، غیر مخلص، کافر سب دائرۂ اسلام میں ہیں؟

مرزا ناصر: جی بالکل۔

اٹارنی جنرل: آپ ایسے آدمی کو غیر مسلم کہہ رہے ہیں، کیا ہمیں بھی حق دیتے ہیں کہ ہم بھی کسی کو غیر مسلم کہیں؟

مرزا ناصر: میں تو اپنے علم کی بات کر رہا ہوں، میں کسی کو غیر مسلم نہیں کہتا۔

اٹارنی جنرل: آپ کے علم میں پوری دنیا میں کوئی غیر مسلم نہیں؟

مرزا ناصر: جی، میرے نزدیک۔

اٹارنی جنرل: ساری دنیا مسلمان ہے؟

مرزا ناصر: غیر مسلم کوئی نہیں۔

اٹارنی جنرل: دیکھئے، مرزا کیا کہتا ہے؟

مرزا ناصر: میں اسی طرف آ رہا ہوں، بحث کے بعد جس نتیجے پر پہنچا ہوں، آپ درست سمجھتے ہیں، میں نے غلطی کی، آپ پوائنٹ آؤٹ کریں۔

اٹارنی جنرل: آپ کے نزدیک جس پر اتمام حجت ہو جائے، وہ پھر بھی مرزا کو نہ مانے، وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے، بڑے سرکل سے؟

مرزا ناصر: دائرۂ اسلام کو چھوڑیں، اس سے ابہام پیدا ہوتا ہے۔ اتمام حجت کے باوجود جو مرزا کو نہ مانیں، وہ کافر ہیں۔

اٹارنی جنرل: آپ کہتے ہیں: غیر احمدی مسلمانوں کے دائرے میں شامل ہوگا، مگر مرزا بشیر کہتا ہے کہ خواہ مخواہ غیر احمدیوں کو مسلمان ثابت نہ کرو؟

مرزا ناصر: آپ اسے چھوڑیں، میں اپنی رائے دے رہا ہوں۔ وہ جو ملت اسلامیہ سے باہر نہیں، انہیں غیر مسلم نہیں کہا جا سکتا۔

مولانا شاہ احمد نورانی: مشکل ہو گئی، باپ کچھ کہتا ہے، بیٹا کچھ کہتا ہے، ان میں سے کون جھوٹا، کون سچا، یہ کیسے فیصلہ ہو؟

مولانا غلام غوث ہزاروی: دونوں ہی جھوٹے ہیں۔

مرزا ناصر: کلمۃ الفصل میں مسیح موعود کو مانے بغیر نجات نہیں ہو سکتی، یہ واضح ہے کہ بات نجات کی ہے۔ مجرم کو بے قصور کیسے ثابت کریں؟

اٹارنی جنرل: بات گناہ گار اور بے گناہ کی نہیں۔ کفر اور اسلام کی ہے۔ اردو کی عبارت ہے؟

مرزا ناصر: جی مگر کلمۃ الفصل کے مصنف تو خلیفہ نہیں۔

اٹارنی جنرل: آپ اس سے انکار کر دیں، اس کا قول ہم پر حجت نہیں۔

مرزا ناصر: مگر وہ ہماری جماعت کے بزرگ ہیں۔ ہمارے حضرت بانی کے صاحب زادے ہیں، مگر خلیفہ نہیں۔

اٹارنی جنرل: میں خلافت کی بحث نہیں کر رہا، اس کے خلاف خلیفہ کا قول دکھا دیں۔ خلیفہ کہتا ہے کہ جس نے مرزا کا نام بھی نہ سنا ہو، وہ کافر ہے؟ آپ اس سے اختلاف کر رہے ہیں؟

مرزا ناصر: میری کیا مجال کہ میں اختلاف کروں۔

اٹارنی جنرل: مرزا محمود کہتا ہے کہ ایک پارٹی کے مقابلے میں دو احمدی پیش کروں گا کہ وہ اپنے حقوق کے لئے مسلمانوں سے علیحدگی کا اظہار کر رہے ہیں۔

مرزا ناصر: میں بعد میں عرض کروں گا، پاکستان کے لئے ہماری کیا خدمات ہیں۔

اٹارنی جنرل: جب تک 3 جون 1947ء کا اعلان نہیں ہوا، جماعت احمدیہ اکھنڈ بھارت کے حق میں تھی، یہی منیر انکوائری رپورٹ کہتی ہے؟

مرزا ناصر: پاکستان بننے کے بعد سب سے پہلے مبارک باد ہم نے دی۔

اٹارنی جنرل: میرا سوال 3 جون سے پہلے کا ہے؟

مرزا ناصر: ہاں ہاں۔

اٹارنی جنرل: خاتم النبیینؐ کے بارے میں قادیانی مصنف کی کتاب ہے، جو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی کتاب کے جواب میں لکھی گئی، اس میں ہے:

"آنحضرتؐ کی خاتمیت نے دیگر انبیاء کے فیوض کے در بند کر کے فیضان محمدی کا وسیع دروازہ کھول دیا۔"

مرزا ناصر: آپ کی امت تمام اعلیٰ انعامات سے محروم ہو گئی، جو بنی اسرائیل یا پہلی امتوں کو مل رہے تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آنحضرتؐ کے بعد جو امتی نبی آئیں گے۔ یہ ایک فیض کا در ہے، جو بند نہیں ہوا۔

اٹارنی جنرل: چودہ سو سال میں آنحضرتؐ کے بعد اور غلام احمد کی پیدائش سے قبل کوئی نبی آیا؟

مرزا ناصر: یہ فلسفیانہ سوال ہے۔ ملا علی قاری نے "موضوعات کبیر" میں صفحہ 61 پر لکھا کہ حضرت ابراہیم حضور علیہ السلام کے صاحب زادے نبی بن جاتے یا حضرت عمرؓ امتی نبی بن جاتے۔

مولانا عبد الحق: موضوعات کبیر میں جھوٹی احادیث ہیں، ان سے استدلال کتنی بڑی جسارت ہے۔ اس میں راوی ضعیف ہے۔ اس سے استدلال کرنا نصوص قطعیہ کے مقابلے میں عقائد ثابت کرنا بہت بڑی ناانصافی ہے۔

اٹارنی جنرل: مرزا کی پیدائش سے قبل کوئی نبی آیا؟

مرزا ناصر: چودہ سو برسوں میں امتی نبی کوئی نہیں آیا، ویسے تو سینکڑوں انبیاء آئے۔

اٹارنی جنرل: وہ کون کون ہیں؟

مرزا ناصر: مجھے کیا پتا۔ قہقہہ۔

اٹارنی جنرل: کسی ایک کا نام بتا دیں؟

مرزا ناصر: میں اس پوزیشن میں نہیں ہوں، مگر امتی نبی کوئی نہیں آیا۔

مولانا عبدالمصطفیٰ الازہری جناب گڑبڑ کر رہا ہے۔

چیئرمین: سب کے سامنے ہے، یہ تضاد بیانی سے کام لے رہے ہیں۔

اٹارنی جنرل: آپ کے عقیدے کے مطابق نبی آ سکتا ہے یا نہیں؟

مرزا ناصر: آپ کا سوال ختم ہو گیا۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ امت محمدی میں وہی نبی آ سکتا ہے، جس کی بشارت آنحضرتؐ نے دی۔

اٹارنی جنرل: آپ کے عقیدے کے مطابق وہ بشارت مرزا غلام احمد مسیح موعود کے بارے میں ہے اور کسی کے بارے میں نہیں؟

مرزا ناصر: ہمارے عقیدے کے مطابق صرف مسیح موعود کے بارے میں۔

اٹارنی جنرل: کسی حدیث کا حوالہ؟

مرزا ناصر: بہت سی احادیث کے حوالے سے کہتا ہوں۔

اٹارنی جنرل: کیا مرزا کے بعد فیض کا دروازہ بند ہو گیا؟

مرزا ناصر: فیض کا دروازہ کھلا ہے۔ شہید، صالح اور صدیق آئے اور آئیں گے۔

اٹارنی جنرل: کتنے؟

مرزا ناصر: ہزاروں۔

اٹارنی جنرل: اور نبی امتی صرف ایک؟

مرزا ناصر: حضور علیہ السلام کے فیض کا دروازہ کھلا ہے۔ اپنے جلوے دکھا رہا ہے۔

چیئرمین: اٹارنی جنرل کے سوال کا جواب نہیں ملا۔

اٹارنی جنرل: چیئرمین سے دوسرے طریقے سے سوال کرنے کی اجازت طلب کرتے ہیں۔

اٹارنی جنرل: آپ کے عقیدے کے مطابق کوئی اور نبی مرزا غلام احمد کے بعد آ سکتا ہے؟

مرزا ناصر: آ سکتا ہے کا جواب آ سکتا ہے۔

اٹارنی جنرل: آ سکتا ہے؟

مرزا ناصر: آ سکتا ہے۔

اٹارنی جنرل: لیکن عملاً وہی آ سکتا ہے جس کی بشارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔

اٹارنی جنرل: عقیدہ آ سکتا ہے۔ عملاً نہیں۔

مرزا ناصر: جی۔

اٹارنی جنرل: یہ عقیدے اور عمل کا تضاد نہیں؟

مرزا ناصر: میرے نزدیک نہیں۔ (جاری ہے)

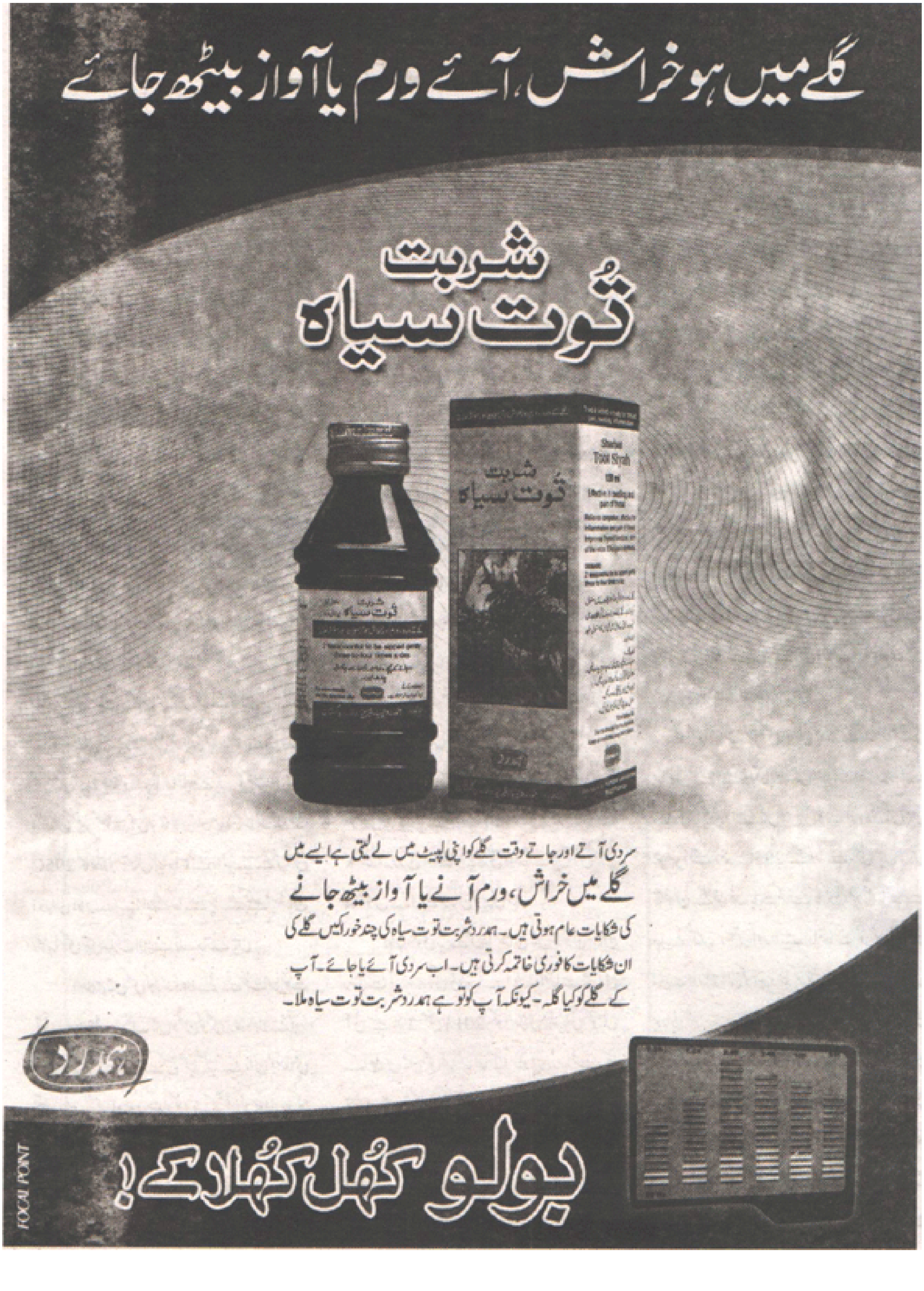
گلے میں ہو خراش، آئے ورم یا آواز بیٹھ جائے
شربت
توت سیاہ
شربت توت سیاہ
سردی آتے اور جاتے وقت گلے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے ایسے میں
گلے میں خراش، ورم آنے یا آواز بیٹھ جانے
کی شکایات عام ہوتی ہیں۔ ہمدرد شربت توت سیاہ کی چند خوراکیں گلے کی
ان شکایات کا فوری خاتمہ کرتی ہیں۔ اب سردی آئے یا جائے۔ آپ
کے گلے کو کیا گلہ۔ کیونکہ آپ کو تو ہے ہمدرد شربت توت سیاہ ملا۔
ہمدرد
بولو کھُل کھُلا کے!
FOCAL POINT

کوٹ رادھا کشن کا دلسوز واقعہ

ایسے واقعات کی روک تھام کیسے ممکن ہے؟

عبدالرؤف

قصور کے علاقے کوٹ رادھا کشن میں مسیحی جوڑے کو زندہ جلائے جانے کا واقعہ انتہائی دلسوز ہے۔اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے اتنی ہی کم ہے ،ایسا کرنے والے مسلمان تو کیا انسان کہلانے کے بھی مستحق نہیں،کوئی بھی درد دل رکھنے والا انسان ان جیسے واقعات کی حمایت نہیں کر سکتا،اس سے پوری دنیا میں پاکستان اور اسلام کی بدنامی ہوتی ہے ،پاکستان بھر کے تمام مکاتب فکر کے علماء،مذہبی اور سیاسی قائدین نے اس واقعے کی پر زور مذمت کی ہے،اسے ظلم قرار دینے میں جتنا مبالغہ کیا جائے اتنا ہی کم ہے ،مگر اس سے بھی بڑا ظلم یہ ہے کہ ایسے واقعات کو اسلام کے ساتھ نتھی کر کے توہین رسالت کے قانون پر بحث کا موقع تراش لیا جاتا ہے،اور دنیا بھر میں یہ ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے کہ پاکستان میں اقلیتیں غیر محفوظ ہیں، قانون توہین رسالت دفعہ 295C کا غلط استعمال کیا جاتا ہے،المیہ یہ ہے کہ اس دوران ہمارے اپنے اچھے خاصے پڑھے لکھے مسلمان رہنما بھی یہی راگ الاپنے لگ جاتے ہیں۔

اسلام میں کسی کو زندہ جلانے سے سخت ممانعت آئی ہے،حالت جنگ میں دشمن کو بھی زندہ جلانے اور مثلہ کرنے سے سختی سے منع کیا گیا ہے،ان اسلامی تعلیمات کے باوجود چند لوگوں کے عمل کو جواز بنا کر اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنا سمجھ سے بالا تر ہے ،ایسے واقعات کے فوراً بعد پاکستان میں موجود قانون توہین رسالت زیر بحث آ جاتا ہے،سوال یہ ہے کہ ایک شخص قانون کی طرف جاتا ہی نہیں،مقدمے کا اندراج کرواتا ہے نہ عدالتوں سے رجوع کرتا ہے بلکہ قانون ہاتھ میں لے لیتا ہے اور خود اقدام کرتا ہے تو اس میں قانون کی کیا غلطی ہے؟اور قانون کا غلط استعمال کہاں ہوا ہے؟ قانون کی طرف جانے کی تو زحمت ہی گوارہ نہیں کی گئی،عدالتیں اگر ایسے مقدمات میں انصاف کے تقاضے پورے نہ کریں تو بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ قانون کا غلط استعمال کیا گیا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ توہین رسالت کے کئی ملزمان عدالتوں سے بری بھی ہو جاتے ہیں، 24 اپریل کو لاہور ہائیکورٹ نے توہین رسالت کے مقدمے میں سزائے موت پانے والے ملزم کو بری کر دیا جس کے خلاف تھانہ ہیڈ مرالہ میں مقدمہ درج ہوا تھا۔اسی طرح گزشتہ سال 15 اپریل کو لاہور ہائیکورٹ نے یونس مسیح کو بری کیا جس کے خلاف 2007 میں توہین رسالت کا مقدمہ درج ہوا تھا،ایسے کئی واقعات ہیں جن میں عدالتوں نے ایسے ملزمان کو بری کیا۔

ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ پاکستان میں قانون توہین رسالت کی موجودگی کی وجہ سے ایسے واقعات میں کمی آئی ہے،29 مئی 2013 کو اسلامی نظریاتی کونسل کے اجلاس میں بھی کہا گیا تھا کہ اگر توہین رسالت کے قانون میں ترمیم کی گئی تو پاکستان میں اقلیتیں غیر محفوظ جائیں گی۔اس میں کوئی شک نہیں کہ کچھ لوگ ذاتی دشمنیوں کی بنا پر جھوٹا الزام لگا دیتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس قانون کو ہی ختم کر دیا جائے، آئین پاکستان میں غلط دعویٰ دائر کرنے والے کے خلاف دفعہ 211 اور غلط شہادت دینے والے کے خلاف دفعہ 194 کے تحت کارروائی کی جا سکتی ہے،یہ دو ایسی دفعات ہیں جن کی مدد سے تمام قوانین کا غلط استعمال روکا جا سکتا ہے،اس سلسلے میں مزید قانون سازی بھی کی جا سکتی ہے ،گذشتہ سال ستمبر میں اسلامی نظریاتی کونسل نے توہین رسالت کا غلط الزام لگانے والے کے لئے بھی سزائے موت کی سفارش کی تھی ،ایسے معاملات کو بغیر تحقیق اور تفتیش کے توہین قرآن یا توہین رسالت کا رخ دے دینا یا قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لینا سراسر غلط ہے اس سلسلے میں علمائے کرام اور مذہبی رہنماؤں کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔

یہاں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ گزشتہ کئی سالوں سے ایسے واقعات میں اچانک اضافہ ہوا ہے ،ہماری ناقص رائے میں اس کی ذمہ دار وہ قوتیں ہیں جو ہر وقت دفعہ 295C کے در پے رہتی ہیں،اس قانون کے خلاف بات کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتیں اور ایسے واقعات کو غیر معمولی اہمیت اور ملزمان کو ہیرو بنا کر پیش کیا جاتا ہے،انہیں یورپی شہریت دینے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا،ابھی حال ہی میں اڈیالہ جیل راولپنڈی میں قید توہین رسالت کے مجرم محمد اصغر کو برطانیہ لے جانے کی کوششیں کی گئیں،اصغر کذاب نے کئی لوگوں کو خط لکھ کر اپنے پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور پولیس کے سامنے عدالت میں اس الزام کو تسلیم بھی کیا،16

اکتوبر کو یہ خبر اخبارات میں چھپی کہ اسکاٹ لینڈ کے فرسٹ منسٹر ایلکس سالمنڈ نے اصغر کذاب کی برطانیہ منتقلی کے لئے وزیر اعظم ڈیوڈ کیمرون سے رابطہ کر لیا، برطانیہ کی لیگل چیریٹی (RE PRIEV) نے بھی مطالبہ کیا کہ محمد اصغر پاکستان میں محفوظ نہیں، انہیں برطانیہ منتقل کیا جائے۔ اسی طرح گذشتہ سال نومبر میں توہین رسالت کے الزام میں گرفتار ہونے والا مسعود احمد لندن فرار ہو گیا اور اب وہ گلاسگو میں اپنے بچوں کے ہمراہ مقیم ہے۔

یورپی پارلیمنٹ میں کئی بار ہمارے اس قانون کو زیر بحث لایا گیا، اسی سال اپریل میں اجلاس کے دوران یورپی وزیر ڈیوڈ لڈنگٹن نے الزام عائد کیا کہ پاکستان کے توہین رسالت قانون کو تجارتی تنازعات میں ذاتی مقاصد کے حصول کے لئے غلط استعمال کیا جاتا ہے، کنزرویٹو رکن پارلیمنٹ رحمن چشتی جو کہ 1999 سے 2007 تک محترمہ بے نظیر بھٹو کے مشیر بھی رہے انہوں نے پاکستان سے مطالبہ کیا کہ وہ توہین رسالت کے پرانے قانون میں اصلاحات کرے، ان کا کہنا تھا کہ گزشتہ 15 سال کے دوران ایک محتاط اندازے کے مطابق اس قانون کے تحت 1274 افراد کے خلاف چارجز عائد کیے گئے ہیں، اسی طرح ایمنسٹی انٹرنیشنل نے رپورٹ جاری کی اور کہا کہ پاکستان مسیحیوں کے لئے انتہائی خطرناک ملک ہے۔

چنانچہ رمشا مسیح سے لیکر مسعود احمد تک بے شمار ایسے لوگ ہیں جو اس بنیاد پر یورپی شہریت حاصل کر چکے ہیں، اس پہلو پر بھی غور ہونا چاہئے کہ کیا ایسے واقعات کہیں یورپی شہریت کے حصول کے لئے ہی تو رونما نہیں ہو رہے، کیونکہ سزائے موت کا قانون ہونے کے باوجود آئے روز ایسے واقعات کیسے رونما ہو جاتے ہیں، ۹ مارچ کو جوزف کالونی لاہور سے ساون مسیح کو گرفتار کیا گیا اور اس کے خلاف مقدمہ درج ہوا، جولائی 2013 میں شفقت مسیح اور اس کی بیوی شگفتہ بی بی کے خلاف گوجرہ پولیس نے مقدمہ درج کیا، اسی طرح جولائی 2013 میں ہی توہین رسالت کے مجرم سجاد مسیح کو سزا سنائی گئی، ۹ دسمبر 2012 کو امریکی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کر کے آنے والے ڈاکٹر شیخ افتخار احمد کو توہین رسالت کے مقدمے میں گرفتار کیا گیا، 16 نومبر 2012 کو چترال میں حضرت علی شاہ کو سزا ہوئی جو مارچ 2011 میں توہین رسالت کا مرتکب ہوا تھا، اسی طرح 2010 میں آسیہ کو گرفتار کیا گیا اور سزا سنائی گئی، سوال یہ ہے کہ یہ اوپر تلے اتنے واقعات کیوں رونما ہوئے؟

ستمبر 2012 میں جنرل اسمبلی کے اجلاس میں سابق صدر زرداری نے تجویز پیش کی تھی کہ توہین رسالت کے سدباب کے لئے عالمی قانون سازی کی جائے، او آئی سی نے جس کی حمایت کی تھی اور اقوام متحدہ کی حقوق انسانی کونسل کو بھی یہ تجویز ارسال کی تھی، ہماری رائے میں پاکستان میں موجود توہین رسالت کے قانون کے پیچھے "لٹھ" لے کر پڑنے کے بجائے ایسے واقعات اور سانحات کی روک تھام اور توہین رسالت کے سدباب کے لئے عالمی سطح پر قانون سازی کی جانی چاہئے اور کسی بھی مذہب کی قابل احترام ہستیوں کی توہین کو قابل سزا جرم قرار دیا جائے اور اس معاملے میں انصاف کے تقاضے پورے کئے جائیں، تبھی کوٹ رادھا کشن جیسے واقعات کی روک تھام کی جا سکتی ہے۔ ☆☆

حضرت مولانا خواجہ خلیل احمد مدظلہ کی دفتر میں آمد

کراچی... (مولانا عبدالرؤف) ۹ نومبر ۲۰۱۴ء بروز اتوار عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے کراچی دفتر میں ایک عجیب روحانی منظر تھا کہ جب صبح دس بجے حضرت خواجہ خواجگان ولی کامل حضرت مولانا خواجہ خان محمدؒ کے جانشین اور صاحبزادے حضرت مولانا خواجہ خلیل احمد مدظلہ کافی تعداد میں مہمانوں کے ہمراہ دفتر تشریف لائے اور ساتھ ہی متعلقین اور جماعتی احباب کی آمد کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ تقریباً ساڑھے گیارہ بجے حضرت مولانا خواجہ خلیل احمد، مولانا محمد اعجاز مصطفی، مولانا قاضی احسان احمد، محمد انور رانا اور سید انوار الحسن کے ہمراہ بنوری ٹاؤن تشریف لے گئے وہاں حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب اور دیگر اساتذہ سے ملاقات کی اور پھر دوبارہ دفتر تشریف لائے، کچھ دیر حضرت نے آرام کیا، نماز ظہر کے بعد حضرت سمیت تمام مہمانوں کے لئے دفتر کی طرف سے کھانے کا نظم تھا، کھانے کے بعد ملاقاتوں کا سلسلہ رہا۔ نماز عصر تک یہ سلسلہ جاری رہا، نماز کے بعد مولانا محمد اعجاز مصطفی نے حضرت کا مختصر تعارف کرایا کہ ہمارے لئے بڑی خوش قسمتی کی بات ہے کہ ہمارے ہاں وقتاً فوقتاً ہمارے اکابرین تشریف لاتے اور ہم ان سے استفادہ حاصل کرتے ہیں۔ خواجہ خواجگان حضرت مولانا خان محمدؒ جب حیات تھے تو کراچی تشریف لاتے اور دفتر قیام فرماتے تھے۔ حضرت کی وفات کے بعد میں نے ان کے جانشین مولانا خواجہ خلیل احمد سے درخواست کی تو انہوں نے شفقت فرماتے ہوئے ہماری درخواست منظور فرمائی اور اب ان شاء اللہ وقتاً فوقتاً حضرت یہاں تشریف لاتے رہیں گے۔ بعدازاں حضرت خواجہ صاحب نے خانقاہ سراجیہ کا تعارف کرایا۔ خانقاہ سراجیہ کا تعارف کراتے ہوئے حضرت نے فرمایا کہ اس خانقاہ کی بنیاد حضرت اقدس مولانا ابوسعد احمد خانؒ نے اپنے شیخ و مربی حضرت خواجہ حاجی محمد سراج الدین کے نام نامی سے منسوب ۱۹۲۰ء میں رکھی۔ تقریباً ۳۰ سال تک حضرت لوگوں کے دلوں کو نور الٰہی سے منور فرماتے رہے۔ ۱۹۴۱ء میں آپ کے انتقال کے بعد مولانا عبداللہؒ آپ کے جانشین ہوئے اور ۱۵ سال سے زائد عرصہ تک اس خانقاہ کا حق ادا کیا۔ ۱۹۵۶ء میں آپ کا انتقال ہوا تو خواجہ خان محمدؒ نے وابستگان خانقاہ کی تربیت کی ذمہ داری سنبھالی اور اس ذمہ داری کا خوب حق ادا کیا۔ بعدازاں ختم خواجگان کے بعد دعا فرمائی۔

REGD. SS.160

قادیانیت کے خلاف امت مسلمہ کے فتاویٰ جات کا مجموعہ

فتاویٰ ختمِ نبوت

۳ جلدیں

تحقیق وتخریج شدہ جدید ایڈیشن

ترتیب: حضرت مولانا سعید احمد جلالپوری شہیدؒ

زیرِ نگرانی: مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ مدظلہ

تمام مکاتب فکر کے علماء کرام ومفتیانِ عظام کے وہ فتاویٰ جو انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی ذریت کے کافر، مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہونے سے متعلق دیئے ہیں تحقیق وتخریج کے بعد انہیں یکجا شائع کیا گیا ہے۔

- ختمِ نبوت کے محاذ پر کام کرنے والے حضرات ومبلغین کے لئے معین ومددگار
- لائبریریوں اور دارالافتاؤں کے لئے بیش بہا علمی خزانہ
- عمدہ کاغذ، جاذبِ نظر سرورق
- علماء وطلباء اور کارکنان ختمِ نبوت کے لئے خصوصی رعایت

صرف =/1000 روپے علاوہ ڈاک خرچ

اسٹاکسٹ: مکتبہ لدھیانوی ۱۸ اسلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن، کراچی

021-34130020, 0321-2115595, 0321-2115590

شائع کردہ: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پرانی نمائش ایم اے جناح روڈ۔ کراچی

021-32780337, 021-34234476